درس نظامی

کی

کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟

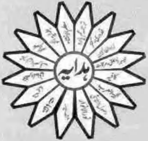

محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

مکتبہ نعمانیہ

نام کتاب : درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں
تالیف : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
طبع : رجب ۱۴۲۴ھ ستمبر 2003ء
ناشر : مکتبہ نعمانیہ
۳۶/جی لانڈھی کراچی۔ فون 5045446

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ نعمانیہ	۳۶/جی، لانڈھی کراچی
☆ مکتبہ دارالعلوم	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
☆ ادارۃ المعارف	جامعہ دارالعلوم کراچی
☆ دارالاشاعت	اردو بازار کراچی
☆ ادارہ اسلامیات	۱۹۰، انارکلی لاہور
☆ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی	
☆ قدیمی کتب خانہ	آرام باغ کراچی
☆ کتب خانہ مظہری	گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ حلیمیہ	متصل جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
☆ مکتبہ زکریا	علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ درخواستی کتب خانہ	علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مولانا اقبال نعمانی صاحب، طاہر نیوز، ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی	
☆ مکتبہ عمر فاروق	شاہ فیصل کالونی کراچی

فہرست مضامین

پیش لفظ ———— ۷
ہدایات تدریس ———— ۹
کتب درجہ اولیٰ ———— ″
میزان الصرف یا علم الصرف ———— ″
نحو میر یا علم النحو ———— ۱۳
عربی کا معلم اور طریقہ جدیدہ ———— ۱۶
کتب درجہ ثانیہ ———— ۱۸
ہدایۃ النحو ———— ″
ترجمہ پارہ عم ———— ۲۱
مختصر القدوری ———— ۲۲
زاد الطالبین، القراءۃ الراشدہ، معلم الانشاء ———— ۲۴
علم الصیغہ ———— ۲۵
تیسیر المنطق، مرقات ———— ۲۶
کتب درجہ ثالثہ ———— ″
کافیہ ———— ″
نفحۃ العرب ———— ۲۹

کنز الدقائق ———— ۳۰
اصول الشاشی ———— ۳۱
تفسیر درجہ ثالثہ درجہ خامسہ ———— ۳۲
کتب درجہ رابعہ ---- ۳۳
شرح جامی ———— ۳۳
شرح وقایہ ———— 〃
نور الانوار ———— ۳۴
مقامات حریری ———— ۳۵
کتب درجہ خامسہ ———— ۳۸
ہدایہ اولین وآخرین ———— 〃
حسامی وقیاس نور الانوار ———— ۴۰
دروس البلاغہ ومختصر المعانی ———— 〃
دیوان المتنبی ———— ۴۱
دینی مدارس کا نصاب ونظام ———— ۴۳
دینی مدارس کا مقصد سائنس دان، ریاضی دان اور انجینئر بنانا نہیں ہے ———— 〃
دینی علوم کا مقصد اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے ———— ۴۵
دستکاری اور ہنر سکھانا بھی مقصد نہیں ہے ———— ۴۶
اپنی سندات دوسری یونیورسٹیوں سے تسلیم کرانا بھی مقصد نہیں ہے ۵۰

علماء کی حیثیت کو مضبوط ومستحکم بنانے کیلئے نصاب ونظام میں نظر ثانی کرنی چاہئے ———— ۵۳
مدارس کا علمی وعملی معیار انحطاط کا شکار ہے ———— ۵۴
دینی مدارس کا سب سے قیمتی سرمایہ اکابر سے ملا ہوا مزاج ومذاق ہے ۵۶
دار العلوم دیوبند کی بنیاد علم وعمل کے سنگھم پر اٹھائی گئی تھی ———— ۵۷
مدارس کی اصل روح کا احیاء اور اس کے لئے چند تجاویز ———— ۶۱
قویٰ کے انحطاط اور وقت کے عملی ضروریات کے تحت نصاب پر نظر ثانی ہونی چاہئے ———— ۶۲
ہمارے نصاب تعلیم کے کچھ نقائص اور ان کے ازالے کے لئے چند تجاویز ———— ۶۳
۱۔ عربی کو نئے اسلوب سے پڑھانا چاہئے اور اس کے نصاب میں کچھ کتابوں کا اضافہ کرنا چاہئے ———— ۶۶
۲۔ اعدادیہ کی مدت بڑھا کر اس میں اردو، فارسی، ریاضی وغیرہ کی معیاری تعلیم دی جائے ———— ۶۸
۳۔ تاریخ اور سیرت کو داخل نصاب کیا جائے ———— ۷۰
۴۔ تصوف اور اخلاق کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں ———— 〃
۵۔ تقابل فِرَقِ باطلہ کو داخل نصاب کیا جائے ———— ۷۱
۶۔ انگریزی، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات اور سیاسیات کو داخل نصاب کیا جائے ———— ۷۲

علماء مغربی افکار کا موثر دفاع انگریزی سیکھ کر کر سکتے ہیں ______
متجددین کے دفاع نے بعض نئی غلط فہمیاں پیدا کر دیں ______ ۷۴
یورپ میں دین کے تحفظ کے لئے انگریزی میں دینی لٹریچر کی شدید ضرورت ہے ______ ۷۷
عصری مضامین کے لئے راسخ الفکر اساتذہ مقرر کئے جائیں ______ ۸۴
منطق اور فلسفہ کے مضمون کو صرف ضروری حد تک پڑھانا.... چاہئے ______ ″
۷۔ دورۂ حدیث کو دو سالوں میں تقسیم کرنا چاہئے ______ ۸۵

☆☆☆

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم: اما بعد!

مدارس دینیہ میں درس نظامی کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور دینی مدارس کی فضا میں کامیاب مدرس وہی کہلاتا ہے جو ان کتابوں کو کما حقہ پڑھا سکے، طریقہ تدریس میں بہت سے تجربے کئے گئے ہیں اور ہر دور میں اس پر کام ہوتا رہا ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے جہاں دیگر بے شمار موضوعات پر علمی و اصلاحی کام کیا ہے وہاں درس نظامی کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کے بارے میں ایک تجربہ کار استاذ ہونے کی حیثیت سے ایک نہایت مفید مقالہ تحریر کیا ہے اور اس میں کتاب ”میزان الصرف“ سے لے کر ”ہدایہ“ تک تمام کتابوں کے درس و تدریس کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور حضرات اساتذہ وطلباء کو نہایت قیمتی مشورہ سے نوازا ہے نیز اسی کتاب کے آخر میں حضرت مولانا کا ایک دوسرا علمی مقالہ جو آپ نے ”دینی مدارس کے نصاب ونظام“ کے بارے میں تحریر کیا تھا، شامل کر دیا گیا ہے، اب یہ ایک نہایت مفید کتاب بن گئی ہے۔ جو اساتذہ وطلباء کیلئے نہ صرف مفید ہے بلکہ ان کی ایک ضرورت بھی ہے۔ واللہ المستعان

محمد عبد المنان
نائب مفتی جامعہ۔ دار العلوم کراچی
۲۴/۶/۱۴۲۴ھ

فتویٰ نویسی کے رہنما اصول

تالیف: مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری

یہ کتاب فتویٰ نویسی کے اصول وضوابط کے بارے میں ہے اور حضرت مصنف نے اس میں ۳۴ر بنیادی اصول جمع کر کے ان کے تحت تفریعات وتمرینات کا اضافہ کیا ہے۔ اور متعدد فقہی مثالوں کے ذریعہ ان اصولوں کا انطباق کیا ہے۔ فتویٰ نویسی کے بارے میں اُردو زبان میں ایسی کوئی جامع کتاب نہیں ہے اس لئے فتویٰ پر کام کرنے والے حضرات کے لئے یہ ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔

ناشر
مکتبہ نعمانیہ
۳۶/ج لانڈھی کراچی
فون : ۵۰۴۵۴۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدایات تدریس

کتب درجۂ اولیٰ

میزان الصرف یا علم الصرف (۱) صرف کے آغاز میں گردانیں یاد کرانا ناگزیر ہے، گردانیں اس طرح یاد ہونی چاہئیں کہ وہ خود بخود زبان پر چڑھ جائیں، اور کسی جگہ اٹکاؤ یا جھجک باقی نہ رہے۔

(۲) لیکن عموماً اساتذہ صرف گردانوں کے رٹوانے پر اکتفاء کر لیتے ہیں، اور جب طالبعلم کو کوئی گردان اچھی طرح حفظ ہوجائے تو آگے منتقل ہوجاتے ہیں، اور صیغوں کی شناخت کی طرف توجہ نہیں دیتے، حالانکہ طالبعلم کو گردان کا یاد ہونا جس قدر ضروری ہے، اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ وہ ہر صیغے کو فوراً پہچان کر اس کا صحیح مطلب اور اس کا محل استعمال اچھی طرح سمجھ لے۔ لہٰذا استاذ کے ذمے ضروری ہے کہ وہ گردان یاد کرانے کے بعد مندرجہ ذیل کام کرے، اور جب تک ان کاموں کی تکمیل اطمینان بخش طریقے پر نہ ہو، اگلے درس کی طرف منتقل نہ ہو۔

(الف) ہر ہر صیغے کے بارے میں یہ پہچان کہ وہ کونسا صیغہ

ہے؟ مذکر ہے یا مونث، واحد ہے یا تثنیہ یا جمع؟ اس کے لئے دوطرفہ مشقیں زبانی طور پر کرانی ضروری ہیں، یعنی طالبعلم سے مختلف صیغوں کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ وہ کونسا صیغہ ہے؟ مثلاً فَعَلَتُ یا ضَرَبَتُ کونسا صیغہ ہے؟ دوسرے مختلف صیغوں کے نام لیکر وہ صیغے بنوائے جائیں مثلاً ضرب سے ماضی کا واحد مونث حاضر، وغیرہ۔ دونوں قسم کی مشقیں اتنی کثرت سے کرائی جائیں کہ صیغوں کی یہ دوطرفہ پہچان طالبعلم کے ذہن نشین ہوجائے اور ہر طالبعلم سے اوسطاً ہر صیغے کے بارے میں متعدد سوالات ہوجائیں۔ اس کام میں اگر ایک دو سبق پورے بھی خرچ ہوجائیں تو اسکی پرواہ نہ کی جائے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہر صیغے کے صحیح معنی طالبعلم کے ذہن نشین ہوں، اور صیغہ سنتے ہی اس کے معنی اسکی سمجھ میں آجائیں۔ اس کے لئے بھی دوطرفہ مشقوں کی ضرورت ہے۔ ایک طرف عربی صیغہ بول کر طالبعلم سے اسکے معنی دریافت کئے جائیں، اور دوسری طرف اردو بول کر اسکا ترجمہ طالبعلم سے کرایا جائے۔ یہ دوطرفہ مشقیں بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہئیں کہ صیغوں کے صحیح معنی اور ان کا صحیح محل استعمال ذہن میں پیوست ہوجائے۔

(ج) میزان میں تمام گردانیں "فعل" کے مادے پر مبنی ہیں اور وہی یاد کرائی جاتی ہیں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے مادوں سے وہی گردانیں طالبعلم سے نکلوائی جائیں۔ مثلاً "اَکَلَ"، "قَرَاَ"، "فَتَحَ"، "سَجَدَ" وغیرہ۔ اور ان کے معانی بھی ذہن نشین کرائے جائیں۔

(د) جن مشقوں کا ذکر اوپر (ب) اور (ج) میں کیا گیا ہے، وہ زبانی طور پر کرانے کے علاوہ تحریر طور پر کرانا بھی لازمی ہے، یعنی اردو میں ایسے جملے دیئے جائیں جنکا ترجمہ طلبہ اپنے پڑھے ہوئے افعال کے مختلف صیغے بنا کر کرسکیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل جملوں کا ترجمہ کرایا جائے۔

ان عورتوں نے سجدہ کیا۔ تم (مردوں) نے کھایا، ان دو عورتوں نے پڑھا۔ وھکذا۔ ان مشقوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ تمام صیغے استعمال ہوجائیں۔

یہ تمام کام ماضی، مضارع، امر و نہی کی تمام گردانوں میں کرائے جائیں۔

(۳) تحریر مشقوں میں شروع ہی سے طالبعلم کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ صاف ستھرے انداز میں سلیقے سے لکھے، جہاں حاشیہ چھوڑنا ضروری ہو، وہاں حاشیہ چھوڑے، سطریں سیدھی رکھے، تحریر

اور ترتیب میں توازن ہو۔

(۴) جو طالبعلم تحریری کام کر کے نہ لائے، اور اسکے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، اس کو مناسب تنبیہ کی جائے۔

(۵) جو طلبہ حافظے یا ذہن کے اعتبار سے کمزور ہوں، انہیں ہر روز کا سبق یاد کرانے کی ذمہ داری جماعت کے ذہین اور اچھے طلبہ پر لگائی جائے اور جن طلبہ سے تمام اس طرح کی کوششوں کے باوجود مایوسی ہو جائے، انکی رپورٹ ناظم تعلیمات کو کی جائے، اور اگر مایوسی حق بجانب ہو تو اسکو تعلیم کے بجائے کسی اور مشغلے میں لگانے کے لئے فارغ کر دیا جائے۔

(۶) صرف صغیر میں اگرچہ ہر گردان کا صرف ایک صیغہ طالبعلم کو یاد کرایا جاتا ہے، لیکن استاذ کو چاہیئے کہ وہ اس سے کبھی کبھی اس بحث کی پوری گردان سنے مثلاً باب استفعال کی صرف صغیر میں مضارع کا وہ صرف یَسْتَنْصِرُ یاد کرے گا، لیکن اس سے یَسْتَنْصِرُ کی پوری گردان نکلوائی جائے، اور پھر اس میں بھی مندرجہ بالا مشقیں جاری کی جائیں۔

(۷) تعلیلات کے بیان میں بھی صرف تعلیلات کے قواعد یاد کرانے کو کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر قاعدے کو بہت سی مثالوں سے سمجھایا

جائے اور طالبعلم سے مختلف مثالوں میں ان قواعد کا اجراء کرایا جائے۔

نحو میر یا علم النحو : اساتذہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے علم نحو کی ٹھیک ٹھیک فہم اس کا مکمل اجراء اور اس کے قواعد کا صحیح استعمال ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا نحو کی تعلیم پر آنے والے ہر علم وفن کی تحصیل موقوف ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور رہ جائے تو دورہ حدیث تک کی پوری تعلیم کمزور بے اثر اور بے ثبات ہو جاتی ہے۔ اس لئے نحو کے استاذ کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اور اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ناگزیر اور لازمی ہے۔

(۱) نحو کی تعلیم میں اصل مقصد کتاب کی عبارت یاد کرانا نہیں، بلکہ اس میں بیان کردہ قواعد ومسائل کو طالبعلم کے اس طرح ذہن نشین کرانا ہے کہ متعلقہ موقع پر طالبعلم کو وہ قاعدہ یا مسئلہ یاد آ جائے۔

(۲) زیر درس کتاب میں عموماً کسی اصطلاح یا قاعدے کی تشریح کے لئے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن استاذ کیلئے یہ لازمی ہے کہ وہ ہر اصطلاح اور قاعدے کی تشریح کے لئے طلبہ کے سامنے از خود بہت سی مثالیں بیان کرے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ مثالیں عام گفتگو کے علاوہ قرآن کریم سے بھی اخذ کی جائیں تا کہ قرآن کریم سے بھی مناسبت

پیدا ہوتی جائے۔ اس غرض کے لئے استاذ کو چاہیئے کہ "مفتاح القرآن" کو مستقل اپنے مطالعہ میں رکھے۔

(۳) خود بہت سی مثالیں دینے کے بعد طلبہ سے بھی مثالیں بنوانا اور مختلف مثالیں بول کر طلبہ سے ان کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے۔ یہ کام زبانی بھی ہونا چاہیئے اور تحریری بھی۔

(۴) اصطلاح یا قاعدے کی محض نظریاتی تفہیم کو ہرگز کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کے عملی اجراء پر زیادہ زور دیا جائے۔ چنانچہ جب پچھلا سبق طلبہ سے سنا جائے تو اس میں صرف قاعدہ ہی نہ پوچھا جائے بلکہ مختلف مثالوں کے ذریعہ سوال کرکے اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالبعلم میں اس قاعدے کو عملی طور پر جاری کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟

مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف کا اعراب حالت جری میں فتحہ سے ہوتا ہے۔ اب صرف اس سوال پر اکتفا نہ کیا جائے کہ غیر منصرف کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ بلکہ ایسے جملے اردو میں بول کر عربی میں ان کا ترجمہ کرایا جائے جن میں کوئی غیر منصرف لفظ حالت جری میں آیا ہو۔ یا ایسے عربی جملے بغیر حرکات کے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں جن میں غیر منصرف لفظ

حالت جری میں ہو اور ان پر حرکات لگوائی جائیں۔ یا ایسے غلط جملے طالبعلم کو دیئے جائیں جن میں غیر منصرف کا اعراب صحیح نہ ہو اور پھر اس سے کہا جائے کہ وہ اسے صحیح کرے۔

(۵) طالبعلم جب بھی کوئی غلط جملہ بولے یا غلط پڑھے، اسکو فوراً ٹوک کر جملہ درست کرایا جائے، عام طور سے طلبہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنے، موصوف صفت اور مبتدا خبر میں مطابقت نہ کرنے وغیرہ کی غلطیاں شروع سے جڑ پکڑ جاتی ہیں، ان غلطیوں کو کسی بھی قیمت پر گوارہ نہ کیا جائے، بلکہ طالبعلم سے اصلاح کرائی جائے تاکہ شروع ہی سے ان غلطیوں سے احتراز کی عادت پڑ جائے۔

(۶) جو قواعد کثیر الاستعمال ہیں ان پر قلیل الاستعمال قواعد کے مقابلے میں زیادہ زور دیا جائے، سبق سننے کے وقت بھی اور امتحانات میں بھی کثیر الاستعمال قواعد کے بارے میں زیادہ سوالات کئے جائیں۔ بلکہ قلیل الاستعمال قواعد کے بارے میں بتایا بھی جائے کہ ان کا استعمال کم ہوتا ہے۔ مثلاً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی پانچ ممکنہ وجوہ اعراب میں طالبعلم کو بتا دیا جائے کہ راجح اور کثیر الاستعمال کونسی ہے؟

(۷) اسم متمکن کی جو سولہ اقسام کتاب میں مذکورہ ہیں، ان کو

ذہن نشین اور یاد کرانے اور ان کے عملی اجراء پر بہت زور دیا جائے۔ مختلف الفاظ کے بارے میں طلبہ سے پوچھا جاتا رہے کہ یہ اسم متمکن کی کونسی قسم ہے؟ اور اس کا اعراب کیا ہے؟

(۸) طلبہ کو ہر روز یا کم از کم تیسرے دن کوئی نہ کوئی تحریری مشق ضرور دی جائے، اور مشقوں کا طریقہ وضع کرنے کے لئے استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ’’عربی کا معلم‘‘ ’’معلم الانشاء اور ’’النحو الواضح‘‘ للابتدائیه کو اپنے مطالعے میں رکھے، اور جو بحث پڑھائی گئی ہے، اس کے متعلق ان کتابوں میں دی ہوئی مشقوں میں سے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے مشقیں منتخب کر کے طلبہ کو ان کے تحریری جواب کا پابند بنائے۔

(۹) ’’مِائةُ عامل‘‘ کی تعلیم میں ہر عامل کے عمل کو ذہن نشین اور مستحضر کرانے کے لئے مثالوں سے کام لیا جائے، اور ان کی بھی زبانی اور تحریری مشقیں کرائی جائیں۔

عربی کا معلم اور طریقۃ جدیدۃ:

(۱) ’’عربی کا معلم‘‘ پڑھانے کا مقصد بیک وقت نحو وصرف کا اجراء طالبعلم کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا، اور عربی تحریر کی بتدریج صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اسکی تعلیم

میں ان تینوں امور کو مدنظر رکھا جائے۔

(۲) ’’عربی کا معلم‘‘ کی تمرینات میں ’’عربی سے اردو‘‘ والا حصہ زبانی کرانے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ’’اردو سے عربی‘‘ والا حصہ لازماً تحریری ہونا ضروری ہے۔ طلبہ کو ان مشقوں کے لکھنے کا پابند بنایا جائے۔

(۳) ’’طریقة جدیدة‘‘ اور ’’الطریقة العصریة‘‘ کا اصل مقصد ’’بطریق مباشر‘‘ عربی سکھانا ہے، لہٰذا اسے حتی الامکان عربی ہی میں پڑھایا جائے۔

(۴) تمام الفاظ طلبہ سے کہلائے جائیں اور ان میں تلفظ کی صحت کا اہتمام کیا جائے، تلفظ یا لہجے میں بھی اگر کوئی غلطی ہو تو طالبعلم کو ٹوک کر اسکی اصلاح کرائی جائے۔

(۵) تمام تمرینات پہلے زبانی کرائی جائیں، پھر تحریری، ’’طریقہ جدیدہ‘‘ کی تمرینات کا مقصد یہ ہے کہ عربی الفاظ صحیح تلفظ کے ساتھ طالبعلم کی زبان پر چڑھیں، اور رفتہ رفتہ اس کے عربی بولنے میں روانی پیدا ہو جائے۔ بعض اوقات اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان تمرینات میں سوال ہی کے الفاظ کو طالبعلم سے دہرانے کی مشق کرائی گئی

ہے، جس سے طالبعلم کے ذہن پر کوئی خاص زور نہیں پڑتا، اس لئے وہ تمرینات کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ طرز عمل درست نہیں۔ ان تمرینات سے طالبعلم کو عربی جملے بولنے کی رفتہ رفتہ عادت پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا وہ بہت ضروری ہے۔

(۶) چونکہ ’’طریقة جدیده ‘‘ اور ’’الطریقة العصریة ‘‘ کا اصل مقصد طالبعلم کو عربی بولنے کا عادی بنانا ہے۔ اس لئے ان کتابوں کے درس میں حتی الامکان عربی بولنے کا التزام ضروری ہے اگر طالبعلم شروع میں پورے جملے نہ سمجھ پائے تب بھی کچھ حرج نہیں، اس کی وجہ سے عربی میں گفتگو ترک نہ کی جائے انشاء اللہ رفتہ رفتہ وہ عربی الفاظ کے عادی بنتے جائیں گے اور یہ رکاوٹ دور ہونی شروع ہوگی، لیکن اگر نہ سمجھنے کے ڈر سے شروع ہی میں عربی بولنا ترک کر دیا گیا تو اس درس کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور پھر عربی بولنے کی مشق کبھی نہیں ہو سکے گی۔

کتب درجہ ثانیہ

ھدایۃ النحو:۔ ’’ھدایة النحو ‘‘ درس نظامی کے طلبہ کے لئے انتہائی ناگزیر، بیحد مفید اور نہایت اہم کتاب ہے، اور اسے نحو کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہئے۔ علم نحو سے جو کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی کتاب میں ہوگی، لہٰذا اس کو پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(۱) اس کتاب کا اصل مقصد یہ ہے کہ نحو کے بنیادی قواعد اور اس علم کا مرکزی ڈھانچہ آسان اور عام فہم انداز میں طالبعلم کے ذہن نشین ہو جائے اور ساتھ ہی اس میں عربی زبان میں نحو کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

(۲) اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب کے بیان کردہ مسائل کی تفہیم پر اکتفا کرے اور اس کتاب کی شروح مثلاً ’’درایة النحو ‘‘ وغیرہ میں جو غیر متعلق مباحث مذکور ہیں، ان کو درس میں نہ خود چھیڑے، نہ طلبہ کو چھیڑنے کی اجازت دے۔ یہ نحو کی بنیاد رکھنے کا وقت ہے، اور طالب علم کی پوری توجہ کتاب کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے اجراء پر مرکوز ہونی ضروری ہے۔ اگر اس کا ذہن خارجی مباحث میں الجھا دیا جائے تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے، اور کتاب کے مسائل اور ان کے اجراء پر طالبعلم کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ کمی آگے کہیں پوری نہیں ہوتی۔

(۳) کتاب کے مسائل کو سمجھانے، یاد کرانے اور ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے ان تمام ہدایات کو یہاں بھی مدنظر رکھا جائے جو ’’نحو میر‘‘ اور ’’علم الصرف‘‘ کی تدریس کے لئے بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی تشریح میں اس بات کو مدنظر رکھنا

ضروری ہے کہ صرف کتاب کی دی ہوئی مثال پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی بہت سی مثالیں اپنی طرف سے سوچ کر طلبہ کو بتائی جائیں، پھر ان سے نئی مثالیں بنوائی جائیں۔ اور کوشش کی جائے کہ مثالیں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سے ماخوذ ہوں۔

مثلاً کتاب میں ”ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر“ کی صرف ایک مثال دی گئی ہے۔ استاذ کو چاہیئے کہ وہ قرآن کریم سے اسکی آسان مثالیں تلاش کر کے طالبعلم کے سامنے بیان کرے اور اس میں متعلقہ قواعد کا اجراء کرائے۔ مثلاً ”وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا، وَالْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا، اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ، وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ“

(۴) اس کتاب میں بھی زبانی اور تحریری تمرینات کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جیسے نحو میر اور علم الصرف کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ان شقوں کے لئے ”النحو الواضح“ کے مختلف حصوں کو استاذ بالالتزام مطالعہ میں رکھے، اور جو سبق پڑھائے اسکو اس کتاب میں پڑھ کر اسکی تمرینات اور اس میں دی ہوئی مثالوں سے استفادہ کرے۔

ترجمہ پارۂ عم:۔ ترجمہ کے اس حصے کو اس درجہ میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ:۔

(۱) روزمرہ پڑھی جانے والی سورتوں کا بنیادی مفہوم طالبعلم کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۲) قرآن کریم کی لغات کا ایک معتد بہ ذخیرہ طالبعلم کو یاد ہو جائے کیونکہ اس عمر میں یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

(۳) قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا سلیقہ پیدا ہو۔

(۴) نحو صرف کے قواعد کا اجراء ہو۔

لہٰذا اس حصے کی تدریس میں طویل تفسیری مباحث بیان کرنے کے بجائے صرف لغات کی مختصر تحقیق، راجح ترین تفسیر مع شان نزول اور جملوں کی نحوی ترکیب پر اکتفا کیا جائے۔

استاذ کو چاہیئے کہ وہ ”بیان القرآن“ کو مستقل مطالعے میں رکھ کر اسکو اپنا ماخذ بنائے اور تحقیق لغات اور ترکیب کے لئے ”روح المعانی“ کو ماخذ قرار دے۔

چونکہ ان درجات میں نحوی اور صرفی قواعد کے اجراء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس لئے تدریس کے دوران اس پہلو کو بطور خاص ملحوظ

رکھے اور جس آیت میں کسی نحوی قاعدے کا اجراء ممکن ہو وہ خود طالبعلم سے سوالات کے ذریعے نکلوائے۔

مختصر القدوری:۔ جس طرح ”ھدایۃ النحو“ علم نحو کی بنیاد ہے، اسی طرح ”مختصر القدوری“ فقہ حنفی کی بنیاد ہے، یہ ایک سلیس، آسان، مختصر مگر جامع کتاب ہے جسکی تدریس بڑے اہتمام سے ہونی ضروری ہے۔ اور اس میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

(۱) عبارت ہر طالبعلم سے باری باری پڑھوائی جائے اور طلبہ کو پابند کیا جائے کہ وہ مطالعہ کرکے آئیں، عبارت کی کسی ادنی غلطی، یہاں تک کہ تلفظ سے بھی چشم پوشی نہ کی جائے، اور عبارت کی درستی کو درس کا اہم حصہ قرار دیکر اس پر وقت صرف ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

(۲) کتاب میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے، صرف اسی کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے پر زور دیا جائے، خارجی مباحث نہ چھیڑے جائیں، البتہ اگر اسی مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کچھ تفصیل کی ضرورت ہو، یا مفتی بہ قول بیان کرنا درست ہو تو الگ بات ہے۔

(۳) مسئلے کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاں

مسئلے کا سمجھنا دلیل پر موقوف ہو یا دو مسئلوں میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہو صرف وہاں دلائل ذکر کیئے جائیں۔

(۴) استاذ ”قدری“ کی شروح میں سے ”جوہرہ“ اور ”لباب“ کو بطور خاص مطالعہ میں رکھے اور ضرورت کے وقت ”ہدایہ“ اور اسکی شروح سے بھی مدد لے، لیکن طالبعلم کو صرف اتنی بات بتائے جو اسکی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔

(۵) شروح کے علاوہ استاذ کو چاہیئے کہ وہ ”بہشتی زیور“ اور ”امداد الفتاوی“ بھی اپنے مطالعہ میں رکھے، اور ہر سبق میں دیکھ لیا کرے کہ کتاب کا کوئی مسئلہ مفتی بہ قول کے خلاف تو نہیں ہے۔ اگر خلاف ہو تو مفتی بہ قول بھی بیان کرے۔

(۶) تمام فقہی اصطلاحات اور ان کا مفہوم و مصداق طالبعلم کو زبانی یاد کرایا جائے۔ اسی طرح ہر باب سے متعلق بنیادی مسائل اور کثیر الوقوع جزئیات بھی زبانی یاد ہونے چاہئیں۔ البتہ تفصیلات اور تفریعات وغیرہ میں اس بات پر اکتفا کیا جاسکتا ہے کہ طالبعلم کتاب میں دیکھ کر اس کا مطلب بتاسکے۔

(۷) نماز کے سنن و آداب نہ صرف طالبعلم کو زبانی یاد کرائے

جائیں، بلکہ انکی عملی مشق کرائی جائے اور طلبہ کو ان کی عملی غلطیوں اور کوتاہیوں پر متنبہ کیا جائے اور خارج درس بھی ان کے طرز عمل کی نگرانی کی جائے۔

(۸) طالبعلم کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات پیدا کی جائے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ محض ایک نظریاتی علم یا فن نہیں ہے، بلکہ اسکا مقصد اس کے عمل کی اصلاح ہے۔

زاد الطالبین، القرأۃ الراشدہ، معلم الانشاء:۔ ان کتابوں کا مقصد "عربیت" کا ذوق اور ادبی جملوں کی فہم پیدا کرنا، نیز ان میں نحو وصرف کے قواعد کا اجراء اور بالآخر خود صحیح عربی جملے بولنے اور لکھنے کی مشق کرنا ہے لہٰذا ان کتابوں کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفانہ کیا جائے۔

(۱) ترکیب اور نحوی قواعد کے اجراء پر زور دیا جائے۔

(۲) نئے الفاظ کے لغوی معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا محل استعمال بتایا جائے۔ اور ان الفاظ کے محل استعمال کو بیان کرنے کے لئے از خود مثالیں دی جائیں، اور پھر طلبہ سے ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کرایا جائے۔

(۳) تمام تمرینات زبانی اور تحریری دونوں طریقے سے اہتمام

کے ساتھ طلبہ سے کرائی جائیں، اور تحریری کام کر کے نہ لانے والے طالبعلم کو تنبیہ کی جائے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربیت کا ذوق پیدا کرنے میں کتاب سے زیادہ استاذ کو دخل ہوتا ہے، اگر استاذ میں خود ذوق نہیں ہے، تو کتاب خواہ کتنی اچھی ہو، طالبعلم کے اندر یہ ذوق پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے لہٰذا استاذ کو چاہیئے کہ وہ خود اپنے ذوق عربیت کو ترقی دینے کی فکر کرے۔ ادبی کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھے اور خود اپنی تحریر وتقریر کی مشق کو خارج اوقات میں بڑھاتا رہے۔

علم الصیغہ :۔ علم الصیغہ ہمارے نصاب میں صرف کی آخری کتاب ہے اس میں اہم ترین حصہ قواعد تعلیلات کا ہے یہ قواعد اسکے بعد کہیں طالبعلم کے سامنے نہیں آئیں گے۔ لہٰذا ان کو خوب یاد کرا کے از بر کرا دینا اور ان کا اجراء استاذ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

اس طرح "خاصیات" کا بیان پہلی اور آخری مرتبہ صرف "فصول اکبری" ہی میں طالب علم کے سامنے آئے گا۔ ان خاصیات کو بھی نہ صرف ذہین نشین بلکہ اچھی طرح یاد کرنا لازمی ہے۔

تیسیر المنطق۔ مرقات:۔ ان کتابوں کا مقصد منطق کی اصطلاحات یاد کرانا ہے اسی نقطہ نظر سے انکو پڑھانا چاہیئے۔ ہمارے دور میں طلبہ منطق کو ایک خشک اور مشکل مضمون سمجھتے ہیں۔ اور اس سے دلچسپی پیدا نہیں کرتے۔ اس عدم دلچسپی کی بناء پر وہ پہلے ہی قدم پر منطق سے برگشتہ ہو جاتے ہیں اور آگے کی کتابوں میں بھی انکی استعداد کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

لہٰذا تیسیر المنطق اور مرقات کے استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی اس غلط فہمی کو دور کر کے ان کے ذہنوں میں اس علم کو دلچسپ بنا کر پیش کرے۔ منطق کی اصلاحات کو روزمرہ کی زندگی کی مثالوں سے سمجھا کر انہیں یہ بتائے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت علم نہیں ہے بلکہ زندگی کے حقائق کا صحیح ادراک کرنے کیلئے اسکی کتنی ضرورت ہے۔ اس غرض کیلئے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب میں بیان کی ہوئی مثالوں پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے آسان مثالیں سوچ کر جائے اور طلبہ سے بھی مثالیں نکلوائے۔

کتب درجہ ثالثہ

کافیہ:۔ "کافیہ" علم نحو کی وہ اہم کتاب ہے جس میں نحو کے اعلیٰ درجے کے مسائل بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے

ہیں۔ اس کتاب کا مقصد نحو کے مبادی سے کما حقہ واقفیت کے بعد اس علم کے تفصیلی مسائل کے ذریعے طالبعلم میں فن کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا اور اس کے ساتھ شواہد کی مدد سے مسائل نحو کے استنباط کا سلیقہ سکھانا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں ان مقاصد کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ اس کتاب کا وہ طریق تدریس ہے جس میں سارا زور غیر متعلق چون و چرا پر صرف کر دیا جاتا ہے اور اس چوں وچرا کی کثرت میں کتاب کے اصل مسائل گم ہو کر رہ جاتے ہیں اور طالبعلم کی توجہ ٹھیٹھ نحوی مسائل ومباحث کے بجائے اعتراض وجواب کی طرف لگ جاتی ہے۔ لہٰذا:

(۱) "کافیہ" سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ استاذ نفس کتاب کی تفہیم پر اکتفاء کرے البتہ اس تفہیم کا معیار "هداية النحو" سے اتنا بلند ہونا چاہیئے کہ عبارت کے فوائد وقیود اور ایک ایک لفظ کا پورا پس منظر طالبعلم کے سامنے بیان کیا جائے اور مصنف نے مختصر الفاظ میں جو مباحث سموئے ہیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ طالبعلم کے سامنے آجائیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان فضول عقلی موشگافیوں اور لفظی مناقشات سے مکمل پرہیز کیا جائے جن سے براہ راست نحو کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) "کافیہ" کی سب سے بہتر شرح "رضی" شرح جامی اور

عصام کو استاذ اپنے مطالعے میں رکھے لیکن طالبعلم کے سامنے ان میں سے صرف وہ منتخب کر کے پیش کرے جو کتاب سمجھنے کے لئے ضروری ہوں یا جن کا براہ راست نحو سے تعلق ہو "تحریر سنبٹ" اور اس قسم کی دوسری شروح جو محض چوں و چرا پر مشتمل ہیں، استاذ چاہے تو اپنی دلچسپی کے لئے مطالعے میں رکھے، لیکن اس قسم کے مباحث نہ طلبہ کے سامنے بیان کرے اور نہ طلبہ کو ایسی شروح دیکھنے کی اجازت دے۔ مثلاً "اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنیً" پر جس طرح عموماً کئی کئی دن خرچ کئے جاتے ہیں اسکی چنداں ضرورت نہیں۔ اس جملے کے مطلب کے علاوہ صرف الف لام کی قسمیں، مفرد کا مطلب اور مفرد کی مختلف وجوہ اعراب اور ان سے حاصل ہونے والے معانی پر اکتفاء کیا جائے، لیکن الف لام کی قسموں کو اتنی مثالوں سے سمجھایا جائے کہ ہر قسم کی پوری شناخت طالبعلم کے ذہن نشین ہو جائے اور پھر طالبعلم سے بھی ان مختلف قسموں کی مثالیں نکلوائی جائیں۔

(۳) اس قسم کے مباحث ترک کرنے سے جو وقت بچے گا، اسکو حقیقی نحوی استعداد پیدا کرنے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ کتاب کے مسائل کی خارجی مثالیں اور قرآن وسنت اور کلام عرب سے ان کے شواہد پیش کئے جائیں اور طلبہ سے ایسے فقرے بنوائے جائیں جن میں وہ

مسائل جاری ہو

اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ "کافیہ" کا استاذ "النحو الوافی" کو بالالتزام اپنے مطالعے میں رکھے۔ اس کتاب میں "کافیہ" کے معیار کے مسائل کو قرآن وسنت اور کلام عرب کے شواہد سے سمجھایا گیا ہے، اسی کتاب میں تمرینات بھی موجود ہیں، ان تمرینات سے مدد لیکر استاذ اپنے طلبہ کے لئے تمرینات خود مرتب کرے۔ جن کا مقصد ایک طرف یہ ہو کہ کافیہ کے مسائل کا اجراء ہو سکے، اور دوسری طرف اس طرح عربیت کا ادبی ذوق بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوتا چلا جائے۔

اور اصل بات یہاں بھی وہی ہے کہ کافیہ سے طالبعلم کو صحیح فائدہ پہنچنے کا مدار استاذ کے اپنے نحوی اور ادبی ذوق پر ہے جسے ترقی دینے کی ہر استاذ کو کوشش کرنی چاہیئے اور نحو اور ادب کی معیاری کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھنی چاہئیں۔

نفحة العرب:۔ اس کتاب کا مقصد ہلکی پھلکی ادبی نثر کے ذریعہ رفتہ رفتہ عربی ادب تک طالبعلم کی رسائی پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اس کتب کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا جائے۔

(۱) نئے الفاظ کے لغوی اور مستعمل معنی اور افعال کے باب اور اسماء کے جمع ومفرد کا بیان اور ان کا محل استعمال۔

(۲) نئے انداز کے جملوں کی نحوی ترکیب۔

(۳) قواعد نحو وصرف کا اجراء۔

(۴) نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنے کی مشق۔

(۵) ادب کی ہر کتاب سے یہ مقصد بھی ضرور حاصل کرنا چاہیئے کہ عربی الفاظ اور عربی جملے طلبہ کی زبانوں پر چڑھیں، اور عربی بولنے کی جھجک دور ہو۔ اس غرض کے لئے ہر درس کے آخر میں استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی درس کی حکایت کے بارے میں طلبہ سے عربی میں سوالات کرے، اور عربی ہی میں طالبعلم انکا جواب دیں۔

کنز الدقائق:۔ مختصر القدوری کے بعد کنز الدقائق کی فقہ میں وہی حیثیت ہے جو نحو میں ہدایۃ النحو کے بعد کافیہ، کی قدوری سے فقہ کے مبادی کا تعارف حاصل ہوتا ہے، لیکن کنز میں فقہی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ دریا بکوزہ کے مصداق جمع ہے۔ لہٰذا استاذ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ یہ ذخیرہ طالبعلم کے اس طرح

ذہن نشین کرادے کہ کتاب سے استفادے کی صلاحیت طالبعلم میں پیدا ہوجائے، ہر باب کے بنیادی مسائل اور اصطلاحات اسے اچھی طرح یاد ہوجائیں۔ اور باقی تفصیلات وہ کتاب کی مدد سے سمجھ سکے۔

کتاب کے حل کے لئے استاذ کو "عینی" شرح کنز، اور "کشف الحقائق" کو سامنے رکھنا چاہیئے اور فقہی تفصیلات جاننے کیلئے "زیلعی" اور بوقت ضرورت "البحر الرائق" کی مراجعت کی جائے۔

اس کتاب میں بھی دلائل طلبہ کے سامنے بیان کرنے کی حاجت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کی صحیح فہم دلیل پر موقوف ہو، وہاں دلیل ضرور بیان کی جائے، یا جہاں ایک جیسے مسئلوں کا حکم مختلف ہو، وہاں وجہ فرق ضرور واضح کی جائے۔

اصول الشاشی:۔ یہ اصول فقہ کی پہلی کتاب ہے، لیکن بعض دقیق مباحث پر مشتمل ہے نیز اس میں قواعد ومسائل سے زیادہ تفریعات پر زور دیا گیا ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کتاب کو شروع کرانے سے پہلے "اصول فقہ" کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل کوئی چھوٹا سا رسالہ پڑھا دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہر سبق کے شروع میں متعلقہ اصطلاح یا

قاعدے کی تشریح اہتمام سے کرائی جائے۔ کتاب میں جو تفریعات بیان کی گئی ہیں، قاعدے پر ان کا انطباق بعض اوقات بہت دقیق ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات پر تکلف بھی۔ لہٰذا شروع میں اس قاعدے کو آسان اور بے تکلف مثالوں پر منطبق کر کے سمجھایا جائے۔ اور طالب علم سے مختلف سوالات کے ذریعہ انطباق کرایا جائے۔ اس کے بعد کتاب کی دقیق تفریعات شروع کی جائیں۔

کتاب کی بعض تفریعات ایسی بھی ہیں کہ وہ در حقیقت قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں، اور انطباق کے لئے بہت تعسّف سے کام لینا پڑتا ہے، ایسے مقامات پر پر تکلف تاویلات کرنے کے بجائے حقیقت حال طالبعلم کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ وہ نفس قاعدہ کے بارے میں ذہنی الجھن کا شکار رہے گا۔

''اصول الشاشی'' کی تدریس کے دوران اسکی شرح ''فصول الحواشی'' کے علاوہ ''نور الانوار'' بھی مطالعے میں رکھنی چاہیئے۔

تفسیر درجۂ ثالثہ تا درجہ خامسہ:۔ اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اسکی تفسیر اور ترجمہ سے طالبعلم کو ایسی مناسبت پیدا ہو کہ وہ رفتہ رفتہ تفسیر سے براہ راست استفادہ کر سکے۔ لہٰذا ان درجات میں

قرآن کریم کے ترجمہ کے علاوہ راجح قول کی بناء پر آیات کا شان نزول اکی راجح تفسیر آیات کی وجوہ اعراب اور آیات سے مستنبط ہونے والے احکام و آداب کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

اساتذہ کو ان درجات میں ''تفسیر روح المعانی'' ''تفسیر مظہری'' ''تفسیر قرطبی'' اور ''معارف القرآن'' سے بطور خاص استفادہ کرنا چاہیئے۔ درجہ خامسہ میں ''تفسیر کبیر'' کے منتخب مباحث بھی بیان ہو سکیں تو بہتر ہے۔

کتب درجہ رابعہ

''شرح جامی'':۔ اس کتاب کی تدریس شروع کرنے سے پہلے علامہ سیوطی کے رسالے ''الاقتراح فی اصول النحو'' کا خلاصہ تقریروں کی شکل میں بیان کیا جائے۔

شرح وقایہ:۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ کے سادہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد طالبعلم فقہاء کرام کے اختلافات اور دلائل سے تعارف حاصل کرے چنانچہ کتاب میں جو مباحث بیان ہوئے ہیں انکی اس طرح تشریح کی جائے کہ طالبعلم ان دلائل و مباحث کو نہ صرف سمجھ سکے

بلکہ ان مباحث میں قوت مطالعہ اسکے اندر پیدا ہو۔

اس کے لئے مناسب ہے کہ استاذ وقتاً فوقتاً طلبہ سے پڑھے ہوئے سبقوں کے بارے میں سوالات کرتا رہے، یہ سوالات نفس مسائل کے علاوہ اختلافات اور دلائل کے بارے میں بھی ہونے چاہئیں۔

طلبہ کی عبارت کی تصحیح اور نحوی وصرفی قواعد کے اجراء کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہنا چاہیئے۔

نور الانوار:۔ یہ اصول فقہ کی پہلی مفصل کتاب ہے جو طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے۔ کتاب بذات خود نہایت آسان ہے۔ اس لئے اس کے حل میں کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن استاذ کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیئے کہ اس کتاب کے ذریعہ اصول فقہ کی اصطلاحات اور اس کے مسائل ومباحث انضباط کے ساتھ طالبعلم کے ذہن نشین کرانے ہیں۔ اس کتاب میں بھی تفریعات بہت ہیں، لیکن ہر جگہ تفریع کو اصل پر منطبق کرکے اصل کو یاد دلایا جاتا رہے۔ تاکہ تفریعات کی تفصیل میں محو ہوکر طالبعلم اصل کو فراموش نہ کرے۔

جو اصطلاحات ملتی جلتی ہیں، ان کے درمیان وجوہ فرق کو اچھی

طرح بیان کرکے ذہن نشین کرایا جائے مثلاً یہ بات کہ ”ظاہر“ اور ”اشارة النص“ میں کیا فرق ہے؟ ”نص“ اور ”عبارة النص“ میں نیز ”دلالة النص“ اور ”قیاس“ میں کیا فرق ہے؟ ”خاص“ اور ”معرفہ“ میں نیز ”عام“ اور ”نکرہ“ میں کیا فرق ہے؟ ”عموم مجاز“ اور ”جمع بین الحقیقت والمجاز“ میں کیا فرق ہے؟ ”عام“ اور ”مطلق“ میں اور ”خاص“ اور ”مقید“ میں کیا فرق ہے۔

اس قسم کی باتوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے صرف کتاب کی مثالوں پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ استاذ خود اپنی طرف سے مثالیں سوچ کر جائے۔ بلکہ قرآن وسنت کی مثالوں کے علاوہ روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی عام گفتگو سے بھی مثالیں دی جائیں۔ طلبہ سے وہ مثالیں نکلوائی جائیں، اور مثالیں دیکر طلبہ سے سوال کیا جائے کہ دلالت کی کونسی قسم بنی؟

مقامات حریری:۔ یہ کتاب ایک خاص دور کی ادبی نثر کی نمائندگی کرتی ہے، جس میں قافیہ بندی اور سجع کے اہتمام استعارات وتشبیہات کی کثرت اور محسنات بدیع کے پرتکلف استعمال کو پسند کیا جاتا تھا، لیکن یہ ذوق ایک خاص دور کا تھا۔ نہ اس دور سے پہلے اس کا رواج تھا، نہ اس کے بعد باقی رہا۔ لہٰذا اب اس کتاب کی تدریس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ طلبہ اپنی تحریر وتقریر

میں اس اسلوب کی پیروی کریں بلکہ اس کا منشاء ایک تو اس دور کی نثر سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے' دوسرے طالبعلم کے ذخیرہ الفاظ کو اتنا بڑھانا ہے کہ اس میں ہر دور کی ادبی نثر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

مقامات حریری کا مسجع اسلوب اگرچہ اب متروک ہو چکا ہے لیکن اس کا ذخیرہ الفاظ تمام تر متروک نہیں ہوا' چنانچہ مقامات کے بیشتر الفاظ اب بھی اعلیٰ ادبی تحریروں میں مستعمل ہیں۔ انہی جیسے الفاظ سے جدید مفاہیم کی تعبیریں' اور جدید اسالیب کلام وجود میں آئے ہیں' اس میں استعمال ہونے والی کہاوتیں آج بھی ادبی تحریروں کی جان ہیں' لہٰذا استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام امور سے واقف ہو کر یہ کتاب اس طرح پڑھائے کہ اس سے

(۱) طالبعلم کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہو۔

(۲) اگر وہ لفظ قرآن کریم یا کسی مشہور حدیث میں آیا ہے تو اس کا قرآنی مفہوم معلوم ہو۔

(۳) اسکو الفاظ کا صحیح محل استعمال معلوم ہو۔

(۴) ان الفاظ کو اگر کسی جدید مفہوم کی تعبیر کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے تو اسکا علم حاصل ہو۔

(۵) کتاب کی ضرب الامثال کی حقیقت اور ان کا موقع و محل سمجھ میں آ جائے۔

(۶) ایک جیسے الفاظ کے درمیان معانی کا اگر کوئی فرق ہے تو وہ واضح ہو۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے استاذ کو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازماً کرنا چاہیئے۔

(۱) الفاظ کی لغوی تحقیق میں بہت زیادہ پھیلاؤ سے اجتناب کرے' بعض جگہ معمول یہ ہے کہ لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے اس کے تمام مشتقات اور تمام ابواب کا ذکر ضرور کرتے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبعلم اس اصل لفظ کے معنی ہی کو بھول جاتا ہے۔ لہٰذا لغوی تحقیق میں اس توسع کے بجائے ہر لفظ کے صرف وہ معنی بتائے جائیں جو اس جگہ مراد ہیں۔ اگر وہ فعل یا شبہ فعل ہے تو اس کا باب اور اسی مادے میں مجرد کے ابواب کے اختلاف سے یا صلے کے استعمال سے کوئی فرق آتا ہے تو وہ فرق بیان کیا جائے۔ اور اگر اسم ہے تو مفرد کی جمع اور جمع کا مفرد بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

(۲) لغوی تحقیق میں مذکورہ بالا توسع کے بجائے اس لفظ کا محل

استعمال ذہن نشین کرانے پر زور دیا جائے۔ یعنی یہ بتایا جائے کہ یہ لفظ آجکل مستعمل ہے یا نہیں؟ اگر مستعمل ہے تو کن معانی میں؟ اسکا حقیقی استعمال کس طرح ہوتا ہے؟ اور مجازی استعمال کس طرح؟ اگر کوئی اسم ہے تو اسکی صفت مبالغہ کیا استعمال ہوتی ہے؟ اور پھر ان تمام استعمالات کو خود بھی مثالوں سے سمجھایا جائے اور طلبہ سے بھی اسکی مثالیں بنوائی جائیں۔

(۳) کتاب کی اردو شرحوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔

کتب درجۂ خامسہ

ہدایہ اولین و آخرین :۔ اس کتاب کو اگر درس نظامی کا حاصل اور علوم دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، لہٰذا استاذ کو اسی اہمیت کے ساتھ اسے پڑھانا چاہیئے۔ کتاب کا مقصد یہ ہے کہ طالبعلم کو مسائل کے ساتھ انکے نقلی اور عقلی دلائل اور فقہاء کے مدراک استنباط سے واقفیت ہو۔ اس کتاب کی تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازمی ہے۔

(۱) عبارتِ کتاب کی تصحیح لازمی ہے۔

(۲) مسئلے کی صورت کا واضح بیان، جو خارجی مثالوں سے مصور کرکے ہو تو بہتر ہے۔ اور مسئلے کے حکم کی تفصیل مع اختلافِ فقہاء۔

(۳) مسئلے کے دلائل کی توضیح اور مخالف فقہاء کے دلائل

کا جواب۔

(۴) مذکورہ دونوں امور، پہلے کتاب سے ہٹ کر طلباء کو سمجھا دیئے جائیں، پھر کتاب سے ترجمہ کرکے اس بحث کی پوری مطابقت کرائی جائے۔

(۵) دلائل کے بیان کے وقت جس قدر ممکن ہو اصولِ فقہ کے قواعد کا اجراء کرایا جائے۔

(۶) حلِ کتاب کے لئے "عنایہ" اور "کفایہ" کو بنیاد بنایا جائے۔ اور دلائل کی تفصیل کے لئے "فتح القدیر" اور "بنایہ للعینی" سے مدد لی جائے۔

(۷) اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالبعلم کو باب سے متعلق اہم اور بنیادی مسائل یاد ہیں، اور وقتاً فوقتاً ان کا امتحان لیا جاتا رہے۔

(۸) کبھی کبھی طلبہ سے دلائل کی تقریر بھی کرائی جائے، تاکہ علمی باتوں کو واضح انداز میں سمجھانے کی عادت پڑے۔

(۹) اس بات کی بطورِ خاص نگرانی کی جائے کہ "ہدایہ" جیسی کتاب کے مطالعے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت طالبعلم میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔

حسامی وقیاس نورالانوار: ۔حسامی کی تدریس کے دوران شروحِ حسامی کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں استاذ مطالعے میں رکھے اور انکی مدد سے مباحث کی تشریح کرے۔

(۱) توضیح تلویح (۲) تسہیل الوصول (۳) ارشادالفحول للشوکانی" نیز اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ بات صرف حلِ کتاب پر ختم نہ ہو بلکہ طالبعلم کو علمِ اصولِ فقہ سے مناسبت پیدا ہو اور اس کے دقیق مباحث کو نہ صرف سمجھے بلکہ انہیں بیان کرنے کا بھی سلیقہ آئے۔

دروس البلاغۃ ومختصر المعانی: ۔علمِ بلاغت پر پورے درس نظامی میں صرف یہی دو کتابیں داخلِ نصاب ہیں۔ اس لئے استاذ کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ طالبعلم اس فن کی جو کچھ معلوم حاصل کرے گا' وہ صرف اسی گھنٹے میں کرے گا۔

"دروسُ البلاغۃ" نہایت سلیس' مختصر اور جامع درسی کتاب ہے جس کے ذریعے علمِ بلاغت کی تینوں شاخوں (معانی' بیان اور بدیع) کا اچھا تعارف طالبعلم کو حاصل ہوسکتا ہے۔ کتاب اتنی آسان ہے کہ اسکے حل پر استاذ یا طالبعلم کو زیادہ محنت صرف نہیں کرنی پڑتی۔ لہٰذا استاذ کو چاہیئے کہ

وہ اپنی تمام تر توجہ علمِ بلاغت سے نظری اور عملی مناسبت پیدا کرنے پر صرف کرے۔ اور اس کا راستہ بھی وہی ہے کہ صرف کتاب میں دی ہوئی مثالوں پر اکتفا کرنے کے بجائے اپنی طرف سے بہت سی مثالیں سوچ کر جائے۔ طلبہ کے سامنے انہیں بیان کرے اور پھر طلبہ سے نئی نئی مثالیں بنوائے اور بلاغت کی اصطلاحات کی زبانی اور تحریری تمرین کرائے۔

اس غرض کے لئے "البلاغۃ الواضحۃ" نامی کتاب استاذ کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوسکتی ہے۔ اس میں معانی، بیان اور بدیع تینوں علوم کی اصطلاحات سے متعلق بے شمار ادبی مثالیں بھی موجود ہیں اور متنوع تمرینات بھی دی گئی ہیں۔ استاذ ان میں سے انتخاب کرکے تمرینات طلبہ سے کراسکتا ہے۔

واضح رہے کہ علمِ بلاغت میں "مختصر المعانی" سے طالبعلم کو کوئی عملی فائدہ حاصل ہونا مشکل ہے' اس لئے بلاغت کے ساتھ عملی مناسبت "دروس البلاغۃ" ہی میں کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

دیوان المتنبی: ۔یہ کتاب شعراءِ مولدین کے زمانے کی شاعری کا نمونہ پیش کرنے کے لئے نصاب میں رکھی گئی ہے۔ اسکی تدریس

میں ان تمام امور کا اہتمام کیا جائے جو مقامات حریری کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ مزید باتیں یہ ہیں: ۔

(۱) اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ طلبہ کو شعر پڑھنے کا صحیح طریقہ آئے، جو طلبہ شعر کو پڑھتے وقت اسے وزن سے خارج کر دیتے ہیں، انہیں اس غلطی پر ہمیشہ ٹوک کر اصلاح کی جائے۔

(۲) حکمت پر مبنی اشعار زبانی یاد کرائیں جائیں۔

(۳) ترکیب کے اختلاف سے معانی میں تبدیلی کی نشان دہی کی جائے۔

(۴) اشعار میں جو محسنات بدیع آتے ہیں انکی نشان دہی کی جائے۔

(۵) بلاغت کے دوسرے نکات بھی واضح کیے جائیں۔

(۶) کتاب کے اردو ترجموں اور شرحوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی مدارس کا نصاب و نظام

تمہید

دینی مدارس کے نصاب میں ترمیم و اضافہ کی آوازیں مختلف حلقوں سے بار بار اٹھتی رہی ہیں، اور ہم نے بھی "البلاغ" کے ان صفحات میں متعدد مرتبہ اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے، لیکن اس سے قبل جو کچھ عرض کیا گیا، اس کی حیثیت جزوی اور ضمنی سی تھی، آج جبکہ دینی مدارس کا ایک نمائندہ اجتماع اس موضوع پر اصولی غور و فکر کے لئے منعقد ہو رہا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی گذارشات پیش کر دی جائیں۔ واللہ المستعان۔

دینی مدارس کا مقصد سائنس دان ریاضی دان اور انجینئر بنانا نہیں ہے۔

جو لوگ دینی مدارس کے نظام سے براہ راست وابستہ نہیں ہیں

اور جن کو اس نظام تعلیم کا کوئی عملی تجربہ حاصل نہیں ہے۔ ان کی طرف سے بسا اوقات اس قسم کی تجویزیں سامنے آتی رہتی ہیں کہ ان مدارس کے نصاب میں سائنس، ریاضی اور انجینئرنگ وغیرہ کی معیاری تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے، تاکہ جو علماء ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں، وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ ان تجربی علوم میں بھی کماحقہ درک اور بصیرت رکھتے ہوں۔

یہ تجویز خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیش کی جاتی ہو، لیکن سطحی تجویز ہے جو درحقیقت دینی مدارس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد ایسے صاحب استعداد علماء پیدا کرنا ہے جو قرآن وسنت اور ان کے متعلقہ علوم میں ماہرانہ بصیرت کے حامل ہوں اور یہ مقصد جس ذہنی یکسوئی اور ہمہ تن توجہ کا متقاضی ہے، اس کی موجودگی میں یہ بات قریب قریب ناممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت اونچی استعداد کا حامل عالم دین بھی ہو اور ساتھ ساتھ ماہر ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان یا ماہر معاشیات بھی ہو۔

ایک شخص کیلئے ماہر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان بننا ممکن نہیں۔

یہ بات یوں تو ہر دور میں سچ تھی، لیکن آج کا زمانہ جسے ہر علم وفن

میں اختصاص کا دور کہا جاتا ہے، اس میں تو روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے۔ آج اگر کوئی شخص علم طب کو اپنا خصوصی موضوع بناتا ہے اور میڈیکل سائنس میں مہارت حاصل کرتا ہے تو کوئی بھی صاحب عقل اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ وہ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ انجینئر کیوں نہیں ہے؟ یا اگر کوئی شخص انجینئرنگ کے شعبے میں فارغ التحصیل ہوتا ہے تو اس سے کوئی ہوش مند یہ اعتراض نہیں کرتا کہ اس نے میڈیکل سائنس کیوں نہیں پڑھی؟

اس طرح اگر کسی سائنسی تعلیم کے ادارے میں تمام تر توجہ سائنس کی تعلیم پر دی جاتی ہے تو کوئی شخص وہاں یہ اعتراض پیش نہیں کرتا کہ اس ادارے میں ادب، شاعری، یا کامرس کی تعلیم کیوں نہیں ہوتی؟ کسی کامرس کالج پر یہ اعتراض کبھی نہیں کیا جاتا کہ یہاں سے انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ کسی لاء کالج کے بارے میں کبھی یہ تجویز نہیں سنی گئی کہ اس میں فلکیات کی تعلیم بھی ہونی چاہیئے۔

ہمارا مقصد اسلامی علوم کے ماہرین کا پیدا کرنا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر دینی مدارس کی تمام تر توجہ اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنے پر مرکوز ہے اور وہاں سے کوئی ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں

یا ماہر معاشیات پیدا نہیں ہوتا تو اس بات پر اس قدر تشویش اور واویلا کیوں ہے؟ کیا تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور ان کے متعلقات ایسے علوم نہیں ہیں کہ ان کے درس و تدریس کے لئے کچھ ادارے مخصوص ہوں جو ہمہ تن انہی علوم پر محنت کر کے انہی کی خدمت انجام دیں اور انہی علوم کے متخصص علماء پیدا کریں؟ اگر کوئی شخص واقعۃً ایسا سمجھتا ہے تو اس کی ناواقفیت پر اظہار افسوس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم کی اہمیت اور عظمت کا کسی بھی درجے میں احساس رکھتا ہے تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ علماء دین سے انجینئر اور سائنس داں بننے کا مطالبہ کس قدر سطحی، غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل عمل ہے۔

دستکاری اور ہنر سکھانا بھی مقصد نہیں ہے۔

بعض حضرات دینی مدارس کی خیر خواہی اور ہمدردی میں یہ تجویز بھی پیش فرماتے ہیں کہ ان درسگاہوں میں دستکاری کے ہنر سکھانے اور دوسری تیکنیکی تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہئے، تا کہ جو علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہوں، وہ معاشی اعتبار سے معاشرے پر بوجھ بننے اور دوسروں کے دست نگر ہونے کے بجائے اپنے معاش کا انتظام اپنے ہاتھ کے ہنر سے

کر سکیں اور دین کی خدمت کسی معاوضے کے بغیر انجام دیں۔

یہ تجویز بھی، خواہ کتنی نیک نیتی سے پیش کی گئی ہو اور بظاہر کتنی خوشنما معلوم ہوتی ہو، حقیقت پسندی سے بہت دور اور ناقابل عمل ہے۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ اگر ان دینی مدارس کا مقصد قرآن و سنت کے لئے پورا وقت چاہتا ہے اور آج کی زندگی جس قدر پیچیدہ ہو گئی ہے اس میں تجربہ یہی ہے کہ تیکنیکی کاموں میں لگ جانے کے بعد ان علوم کی خدمت محض ایک آرزو ہو کر رہ جاتی ہے جو ساری عمر پوری نہیں ہوتی۔ بعض طلباء نے علم دین کے ساتھ ساتھ یہ تیکنیکی ہنر سیکھے، لیکن اس عملی تجربے میں شاید کوئی استثناء نہ ہو کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر طالب علم دینی علوم کی خدمت میں لگا تو اپنے ہنر کی طرف توجہ نہ دے سکا اور اس ہنر کے ذریعے کسب معاش میں مصروف ہوا تو علومِ دین سے تعلق باقی نہ رکھ سکا۔ لہٰذا جو مدارس اعلیٰ قابلیت کے علماء تیار کرنے کے لئے قائم ہوئے ہیں ان کے لئے یہ نہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ وہ اپنے طلباء کو علومِ دین کے ساتھ تیکنیکی تربیت دینے کا بھی انتظام کریں۔

دینی ضروریات پوری کر کے تنخواہ لینے والے معاشرہ پر بوجھ نہیں ہیں۔

دوسرے یہ عجیب تصور ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے کی دینی ضروریات پوری کر کے کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کر رہا ہے تو وہ معاشرے پر بوجھ ''یا'' دوسروں کا دست نگر بن گیا ہے۔ علم وفن کے ہر شعبے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص جس علم وفن میں مہارت حاصل کرے اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دیتا ہے' اس کا معاش بھی اسی شعبے سے وابستہ ہوتا ہے اور اگر وہ اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دینے کی بناء پر کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کرتا ہے تو اس میں معاشرے پر بوجھ بننے یا کسی کا دستِ نگر ہونے کا کوئی سوال نہیں بلکہ یہ اس معاشرتی نظام کا ایک لازمی حصہ ہے جس پر پوری انسانیت کی بنیاد قائم ہے' اگر کوئی طبیب' انجینئر' ماہر معاشیات یا سائنس دان اپنے شعبے میں معاشرے کی خدمت کرتا ہے اور اس کے صلے میں معاشرہ اسے معاشی فوائد بہم پہنچاتا ہے تو نہ یہ اس پر کسی کا احسان ہے اور نہ اس کی بناء پر یہ سمجھنا درست ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ بن رہا ہے یا دوسروں کا دست نگر ہے۔

علوم دینیہ کی خدمت معاشرہ کی اولین ضرورت ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا علوم دین کی خدمت معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا ایک مسلمان معاشرے کو ایسے اہل علم کی حاجت نہیں جو ان کی دینی ضروریات پوری کر سکیں؟ ان کو نت نئے مسائل میں دین کی رہنمائی فراہم کر سکیں؟ ان کے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں؟ ان کے دینی مستقبل کے تحفظ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں؟ دین پر حملہ آور فتنوں کا موثر تعاقب کر سکیں؟ اور دین سے متعلق وہ تمام امور انجام دے سکیں جو دوسرے کاموں میں مشغول افراد انجام نہیں دے سکتے۔

اگر یہ ایک مسلمان معاشرے کی اولین ضرورت ہے' اور کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کر سکے؟ تو اگر معاشرہ ان خدمات کے صلے میں ایسے اہل علم کو اپنے معاش سے بے فکر کرنے کیلئے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے تو یہ کونسا احسان ہے جو ان اہل علم پر کیا جا رہا ہے؟ اور اس کی بناء پر یہ خیال آخر کیوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کے دست نگر ہیں' اس لئے انہیں اپنی معاشی کفالت کے لئے کوئی اور ہنر سیکھنا چاہیئے؟

اپنی سندات کو دوسری یونیورسٹیوں سے تسلیم کرانا بھی مقصد نہیں ہے۔

بعض حضرات دینی مدارس کے نصاب ونظام میں ترمیم کے اس بناء پر خواہش مند رہتے ہیں کہ ان مدارس کی سند دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں میں تسلیم کر لی جائے، اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان یونیورسٹیوں میں داخلہ مل سکے یا ان سندوں کے حامل طلبہ کو سرکاری اداروں وغیرہ میں ملازمتیں مل سکیں، اور چونکہ دوسری یونیورسٹیوں کے ساتھ معادلہ ان مدارس کے نصاب ونظام میں تبدیلی کئے بغیر ممکن نہیں نظر آتا، اس لئے وہ اس نظام میں ترمیم کی خواہش رکھتے ہیں۔

ہماری نظر میں یہ طرزِ فکر بھی درست نہیں، ہمارے نزدیک دینی مدارس کے نصاب ونظام پر خالصۃً اس نقطۂ نظر سے غور ہونا چاہیئے کہ ایک باستعداد اور صاحبِ بصیرت عالمِ دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح پوری ہوسکتی ہیں اس نقطۂ نظر سے نصاب ونظام میں جن ترمیمات کی ضرورت ہو، ان کو بیشک اختیار کیا جائے، لیکن محض اس بناء پر ان مدارس کے مزاج ومذاق سے ہٹ کر کوئی تبدیلی کرنا کہ ان کی سند دوسری یونیورسٹیوں یا سرکاری اداروں میں مقبول ہوجائے، ان دینی

درسگاہوں کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

دینی مدارس کی بنیاد جس اخلاص، للّٰہیت، ایثار اور جذبۂ خدمت دین پر رکھی گئی تھی اس میں اس بات سے کبھی کوئی بحث نہیں کی گئی کہ ان کی سندیں بازار میں کیا قیمت رکھیں گی؟ اکابر علمائے دیوبند میں سے کتنے حضرات تھے جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کبھی سند لی ہی نہیں، اس کے بجائے اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہاں فارغ التحصیل علماء میں دینی علوم کی اعلیٰ مہارت، اتباعِ سنت کا جذبہ، خشیت وتقویٰ، انابت الی اللہ اور جذبہ خدمت دین کس طرح پیدا ہو؟

اور واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس اگر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق کام کریں اور ان سے اسی صلاحیت کے اہل علم پیدا ہوں جس صلاحیت کے علماء کی ضرورت ہے اور جس کی آبیاری ان مدارس کا بنیادی مقصود ہے تو اس بات کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ دوسری یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے محتاج ہوں، یا سرکاری اداروں میں اپنی اسناد منظور کرانے کی درخواستیں لئے پھریں۔ اس کے بجائے ان مدارس کو خود اپنا تعلیمی اور تربیتی معیار بلند کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور یقین ہے کہ اگر یہ مطلوبہ معیار حاصل ہوگیا تو تمام دوسرے ادارے چاروناچار ان

کی سند کو تسلیم کرنے پر از خود مجبور ہوں گے۔

ہمارے دینی مدارس جس علم کے امین اور جس مزاج و مذاق کے وارث ہیں' اس میں یہ بات ان کے لئے عار ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی علمی استعداد کی شہادت حاصل کرنے کے لئے درخواستیں' اپیلیں یا مطالبے کرتے پھریں۔ اس علم کا مزاج تو یہ ہے کہ اپنے حصے کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے بعد انسان اپنے دھن میں لگ جائے' کسی کو ہزار مرتبہ ضرورت پڑے تو وہ اپنی غرض اور اپنی ضرورت سے اس کی طرف رجوع کرے' ورنہ اس کو اپنی علمیت منوانے کی چنداں حاجت نہیں اور ماضی کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جن حضرات نے ان مدارس میں رہ کر علمی اور عملی کمال حاصل کرلیا' ان کو کبھی کہیں اپنی سند دکھانے کی ضرورت نہیں پڑی اور ان کی خدمات کے طلبگار صرف دینی مدارس ہی میں نہیں بلکہ اعلیٰ یونیورسٹیوں سے لیکر سرکاری اداروں تک اتنے رہے کہ ان کو کبھی ناقدری کا شکوہ نہیں ہوا۔

لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہوا جب انہوں نے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ زیور علم سے آراستہ کیا اور صرف نام کے فارغ التحصیل ہونے کے بجائے واقعۃً علوم دین کے لئے اپنی زندگی وقف

کردی۔ انہوں نے دنیا طلبی کے لئے علم حاصل نہیں کیا بلکہ خدمتِ دین کو اپنا مشن بنایا' لیکن عملاً ہوا یہ کہ دنیا بھی ان کے قدموں میں ذلیل وخوار ہو کر پہنچی اور معاشی اعتبار سے وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

لہٰذا محض اپنی سند کو تسلیم کرانے کی خاطر دینی مدارس کے نصاب ونظام میں کوئی تبدیلی کرنا جو ان کے مزاج و مذاق سے ہٹی ہوئی ہو' ان مدارس کی روح کے یکسر منافی ہے۔

علماء کی حیثیت کو مضبوط و مستحکم بنانے کیلئے نصاب ونظام میں نظر ثانی کرنی چاہیئے۔

ان گذارشات کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ہم دینی مدارس کے موجودہ نصاب ونظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے' بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس نصاب ونظام میں ترمیم واضافہ پر غور کرنے سے پہلے ہمیں وہ مقصد متعین کرنا چاہیئے جس کے تحت ہم ترمیم واضافہ چاہتے ہیں۔ اگر مقصد ان تین باتوں میں سے کوئی ایک ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا تو ہم اس مقصد کے تحت کسی ترمیم کی نہ صرف یہ کہ ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ اس کے شدت کے ساتھ مخالف ہیں۔

ہاں اگر نصاب ونظام پر نظر ثانی کا مقصد یہ ہے کہ ان مدارس سے فارغ ہونے والے حضرات ایک عالم دین کی حیثیت میں زیادہ ٹھوس اور مستحکم استعداد کے حامل ہوں اور زیادہ موثر اور زیادہ وسیع دینی خدمات انجام دے سکیں تو ایسی نظر ثانی ہماری نظر میں نہ صرف قابل خیر مقدم، بلکہ وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن اس کے لئے ذہن کو مذکورہ تین مقاصد کے تحفظات سے خالی کر کے خالصۃً اس نقطہ نظر سے غور کرنا ہوگا کہ ایک عالم دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ وہ موجودہ نصاب ونظام سے پوری ہو رہی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پوری نہیں ہو رہیں تو اس کے کیا اسباب ہیں؟ ان اسباب کو دور کر کے کس طرح مطلوبہ معیار حاصل کیا جاسکتا ہے؟

مدارس کا علمی اور عملی معیار انحطاط کا شکار ہے۔

اس ناقابل انکار حقیقت پر دلائل قائم کرنیکی ضرورت نہیں کہ دینی مدارس کا علمی اور عملی معیار مسلسل انحطاط کا شکار ہے اور ان کی پیداوار اپنی صفات اور کیفیت کے لحاظ سے روز بروز روبہ زوال ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد وہ فرائض خاطر خواہ طور پر انجام دینے سے قاصر رہتی ہے جو بحیثیت عالم دین اس پر عائد ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جس رفتار سے اچھی استعداد اور اعلیٰ کردار کے حامل علماء کرام کی ضرورت بڑھ رہی ہے اتنا ہی ہمارے دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کا دائرہ اثر ونفوذ روز بروز سمٹ رہا ہے، اس بات کا اعتراف نہ کرنا حقیقت ناشناسی کے مترادف ہوگا کہ پہلے ایک عالم دین کی بات معاشرے میں جس وزن اور جس تاثیر کی حامل ہوتی تھی اور اس کو جس قدر وسیع قبولیت عامہ حاصل ہوتی تھی اب اس صورت حال میں بڑی تیزی کے ساتھ فرق آرہا ہے۔ اسکا ایک سبب بلاشبہ یہ بھی ہے کہ ذہنوں پر مادیت کا غلبہ پہلے سے زیادہ ہوگیا ہے اور بحیثیت مجموعی لوگوں کے افکار واعمال پر دین کی گرفت ہی ڈھیلی پڑگئی ہے، لیکن اس کا ایک بہت بڑا سبب خود ہمارے اپنے نقائص بھی ہیں، اور جب تک ان نقائص کا کھلے دل اور وسیع حوصلے کے ساتھ جائزہ لیکر ان کے ازالے کی کوشش نہیں کی جائیگی اس سنگین اور تشویشناک صورت حال میں تبدیلی لانا بہت مشکل ہے۔

اس جائزے کے بہت سے پہلو ہیں، لیکن اگر ان سب پر گفتگو کی جائے تو بات کے موضوع سے دور نکل جانے کا اندیشہ ہے اس لئے فی الحال ہم گفتگو کو صرف دینی مدارس کے نصاب ونظام کی حد تک محدود رکھتے ہوئے ان اسباب کا مختصراً جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جن کی وجہ سے

دینی مدارس کا مطلوبہ معیار گھٹ رہا ہے اور ان کی افادیت محدود ہو رہی ہے۔ ہماری یہ گفتگو دینی مدارس کے مزاج ومذاق، ان کے نصاب، ان کے طریق تدریس اور ان کے ماحول سے متعلق چار حصوں پر منقسم ہوگی۔

واللہ سبحانہ الموفق۔

دینی مدارس کا سب سے قیمتی سرمایہ اکابر سے ملا ہوا مزاج ومذاق ہے۔

برصغیر کے دینی مدارس کی سب سے قیمتی، سب سے گرانقدر اور سب سے اہم پونجی ان کا وہ مزاج ومذاق ہے جو انہیں اپنے اللہ والے اکابر سے ورثے میں ملا ہے آج ہمارے دینی مدارس بنیادی طور پر دارالعلوم دیوبند کے خوشہ چین اور اسی کے نقش قدم پر چلنے کے خواہش مند ہیں۔ اور دارالعلوم دیوبند کی بنیادی خصوصیت جو اسے دنیا کے دوسرے تعلیمی اداروں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کے اکابر کا مزاج ومذاق ہے جس میں علم کے رسوخ، مطالعے کی وسعت اور استعداد کی پختگی کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ اہمیت اپنی زندگی، اپنے ذہن وفکر اور اپنے جذبات وخیالات غرض ہر چیز میں سنت کے اتباع، سلفِ صالحین کی پیروی اللہ تعالیٰ سے رجوع اس کی طرف انابت اور اسی کی رضاء جوئی کی فکر تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد علم وعمل کے سنگھم پر اٹھائی گئی تھی۔

دنیا میں مختلف علوم وفنون پر داد تحقیق دینے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی اور نرے ''علم'' کی حد تک تحقیق وتدقیق کے شناور دوسری معاصر درسگاہوں میں بھی بہت ہوئے ہیں، لیکن دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہی علم وعمل کے سنگھم پر اٹھائی گئی تھی اور اس میں جس قدر توجہ طلبہ کی علمی صلاحیت بڑھانے کی طرف دی جاتی تھی، اس سے زیادہ ان کی عملی تربیت اور ان پر ادا، ادا میں اسلاف کا رنگ چڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ وہاں دلوں میں خوف وخشیت کی آبیاری ہوتی تھی، وہاں عبادت کا ذوق پروان چڑھایا جاتا تھا، وہاں حلال وحرام بلکہ مکروہ ومستحب اور اولی اور خلاف اولی کا صرف علم نہیں، بلکہ ان کی عملی فکر اور ان کی اہمیت دلوں میں جاگزیں کی جاتی تھی، وہاں عبادات وطاعات کے علاوہ معاشرت، معاملات اور اخلاق کو سنت کے مطابق ڈھالا جاتا تھا، وہاں ایثار تواضع، تحمل، بردباری، سادگی، اخلاص اور للّٰہیت کے ملکات پیدا کئے جاتے تھے، وہاں ایک ایک فرد کے دل میں یہ بات بٹھادی جاتی تھی کہ علم برائے علم اس کا مطمح نظر نہیں اور نہ

تحصیل علم کا مقصد مال وجاہ کا حصول ہے بلکہ اصل مقصد اپنے آپ کو اعلیٰ اسلامی اوصاف سے آراستہ کرنا اور اس کے بعد انہی اوصاف کو دوسروں تک منتقل کرنا ہے۔

تمام عظیم شخصیات بزرگوں کی تربیت یافتہ تھیں۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور میں جب وہاں سے برصغیر بلکہ عالم اسلام کی تاریخ ساز شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ ہر ہر طالب علم کا یہ لازمی معمول تھا کہ وہ صرف کتابیں پڑھنے پر اکتفا کے بجائے کسی نہ کسی مصلح یا مربی سے اصلاح وتربیت کا خصوصی تعلق قائم کرتا تھا اور شاید ہی کوئی فارغ التحصیل طالب علم ایسا ہو جو فراغت کے فوراً بعد کسی نہ کسی مربی سے باقاعدہ رجوع نہ کرتا ہو اور اس کی صحبت وتربیت سے صیقل ہوئے بغیر عملی میدان میں آجاتا ہو۔ آپ کو علماء دیوبند میں جتنی عظیم شخصیات نظر آئیں گی وہ سب کسی نہ کسی شیخ کی تربیت یافتہ اور ان کی صحبت وخدمت سے فیض یاب تھیں۔

ہمارے مدارس میں اکابر کے مزاج ومذاق کی کمی آ گئی ہے۔

لیکن کچھ عرصے سے ہمارے دینی مدارس میں اس مزاج ومذاق

کی بیحد کمی آ گئی ہے اب صرف کتاب کے پڑھنے پڑھانے ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے اور اصلاح اعمال واخلاق کی طرف توجہ باقی نہیں رہی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود مدارس کی عملی زندگی میں جائز وناجائز اور مکروہ ومستحب کی فکر رفتہ رفتہ مفقود ہو رہی ہے پہلے مدارس کے مہتممین اور اساتذہ کا حال یہ تھا کہ وہ مدرسہ کے پیسوں اور اس کی املاک کو پھونک پھونک کر استعمال کرتے تھے کہ کہیں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے۔ ان کو اپنی آمدنی بڑھانے کے بجائے اس بات کی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ جو تنخواہ ہم وصول کر رہے ہیں، وہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اور اس کا حق ادا ہو رہا ہے یا نہیں؟ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں کتنی مثالیں ایسی ہیں کہ لوگوں نے اپنی تنخواہیں بڑھانے کی نہیں، کم کرنے یا کٹوانے کی درخواستیں دی ہیں۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی گائے ایک مرتبہ کسی نے مدرسے کے صحن میں لاکر باندھ دی، کسی شخص نے اعتراض کیا تو حضرت مولانا نے اس کی جواب دہی کے بجائے وہ گائے ہی صدقہ کر دی۔ مظاہر علوم سہارنپور کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سینکڑوں افراد کے کھانے کا انتظام کرتے، لیکن خود کبھی مدرسے کے کھانے میں شریک نہ

ہوتے اور جب رات گئے انتظامات سے فارغ ہوتے تو اپنے گھر سے لایا ہوا ٹھنڈا سالن ایک کونے میں بیٹھ کر کھالیتے تھے۔ اسی مدرسے کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو کبھی مطبخ کی کارکردگی کے معائنے کیلئے کھانا چکھنا ہوتا تو پہلے ایک خوراک خریدتے اور پھر چکھ کر باقی سالن واپس کر دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ مہتممین اور طلبہ کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن جب آج ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو بزرگوں کے اس طرز عمل کے ساتھ کوئی دور کی نسبت بھی نظر نہیں آتی۔ غنیمت ہے کہ ابھی ظاہری وضع قطع اور کسی درجے میں عبادات واجبہ کی حد تک اتباع کا کچھ اہتمام مدارس کے اندر باقی ہے (اور بعض جگہ وہ بھی ختم ہو رہا ہے) لیکن اتباع سنت اور احتیاط وتقویٰ کسی ایک شعبے کی حد تک محدود نہیں بلکہ وہ معاشرت، معاملات اور اخلاق ہر شعبۂ زندگی پر حاوی ہے اور خاص طور پر ان شعبوں میں تدین وتقویٰ اب ہمارے درمیان نایاب ہوتا جارہا ہے۔

کوئی مادہ پرست کہہ سکتا ہے کہ ان باتوں کا مدرسے کے مقاصد پورے ہونے اور اچھے طلبہ کی پیداوار سے کیا تعلق ہے؟ لیکن ہم جو اکابر علماء دیوبند کے نام لیوا ہیں۔ ان باتوں کو مدرسے کی کامیابی اور ناکامی سے

بے تعلق قرار نہیں دے سکتے۔ ان مدارس کی بنیاد اخلاص للّٰہیت اور تقویٰ پر ہے اور اس بنیاد میں جتنی کمزوری آئے گی اوپر کھڑی ہونے والی عمارت، ظاہری اعتبار سے خواہ کتنی خوشنما ہو لیکن نتائج وفوائد کے لحاظ سے اتنی ہی کمزور ہوگی۔

مدارس کی اصل روح کا احیاء اور اسکے لئے چند تجاویز:۔

لہٰذا مدارس کے نصاب ونظام کا جائزہ لیتے وقت ہمارے نزدیک سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ مدارس کی اس روح کے احیاء کی فکر کی جائے۔ اس روح کے احیاء کا تعلق اصل میں تو اہل مدارس کی قلبی لگن سے ہے لیکن اس سلسلے میں چند عملی تجاویز درج ذیل ہیں۔

(۱) تمام مدارس میں تصوف واحسان کو باضابطہ نصاب کا جزء بنایا جائے۔

(۲) اساتذہ وطلبہ پر لازم کیا جائے کہ وہ ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہوکر بزرگان دین اور بالخصوص اکابر علمائے دیوبند کے حالات وملفوظات کا اجتماعی طور پر مطالعہ کریں۔ اس میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی ارواح ثلاثہ، تذکرہ الرشید، حیات قاسمی، تذکرۃ الخلیل، حیات شیخ الہند، اشرف السوانح اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی ‘‘آپ بیتی’’ کا اجتماعی

مطالعہ خاص طور پر مفید ہوگا۔

(۳) ہر مدرسہ کے اساتذہ اور مہتممین کے لئے کسی شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا جائے اور اساتذہ کے تقرر اور ترقی وغیرہ میں ان کے اس پہلو کو بطور خاص نظر میں رکھا جائے۔

(۴) جس مدرسے کے قریب کوئی صاحب ارشاد بزرگ موجود ہوں، وہاں کے اساتذہ اور طلبہ ان کی صحبت وخدمت کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر اختیار کریں اور کبھی کبھی مدرسے میں ان کے اجتماعی وعظ ونصیحت کا اہتمام کیا جائے۔

امید ہے کہ انشاء اللہ اس قسم کے اقدامات سے مدارس کی فضا بہتر ہوگی اور ہم اپنے جس مرکز سے رفتہ رفتہ ہٹتے جارہے ہیں، اس کی طرف لوٹنے میں مدد ملے گی۔

قویٰ کے انحطاط اور وقت کی علمی ضروریات کے تحت نصاب پر نظر ثانی ہونی چاہیئے۔

دوسرا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ دینی مدارس میں اس وقت جو نصاب رائج ہے وہ بنیادی طور پر درس نظامی کا نصاب ہے، یہ نصاب ایک عالم دین کی جملہ ضروریات کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا، اور اس میں ہر علم

وفن کے اندر ایسی کتابیں تجویز کی گئی تھیں جو سطحی اور سرسری معلومات کے بجائے اس علم وفن میں مستحکم اور ٹھوس استعداد پیدا کریں اور اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اس بنیادی ڈھانچے میں بہت زیادہ انقلابی تبدیلیوں کی اب بھی ضرورت نہیں، البتہ قویٰ کے انحطاط اور وقت کی علمی ودینی ضروریات کے پیش نظر اس نصاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلاء محسوس ہوتا ہے یا اس میں جو نقائص پیدا ہوگئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ہمارے نصاب تعلیم کے کچھ نقائص اور انکے ازالے کے لئے چند تجاویز۔

دینی مدارس کو عربی زبان سے جو خصوصی تعلق ہے، وہ محتاج بیان نہیں، عربی زبان تمام دینی علوم کے لئے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق اور عربی تحریر وتقریر کا ملکہ افسوسناک حد تک نایاب ہے۔ اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں، لیکن عربی تحریر وتقریر کی مشق سے۔ الا ماشاء اللہ۔ بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اکثر متوسط درجے

کے طلباء کی بھی عبارت خوانی تک درست نہیں ہوتی اور عربی میں مضمون نگاری، تصنیف وتالیف یا تقریر وخطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کے لئے بھی کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دینی مدارس میں عربی پڑھانے کا اصل مقصد کتاب وسنت اور ان کے علوم کے اصل ماخذ تک رسائی ہے، جس کے لئے تحریر وتقریر کا ملکہ ناگزیر نہیں، لیکن اول تو اب مشاہدہ یہ ہے کہ تحریر وتقریر کی مشق کے فقدان کا اثر عبارت خوانی اور عبارت فہمی پر بھی پڑ رہا ہے۔ دوسرے عربی تحریر وتقریر کی مشق اگر مقصود نہ ہو تو کم از کم اس کے محمود ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور صرف ونحو اور بلاغت وادب کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی اگر یہ وصف محمود حاصل نہ ہو تو یہ کوتاہی کچھ کم نہیں ہے۔ تیسرے عالم اسلام کے باہم مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہمارے مدارس سے عربی تحریر وتقریر کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا ہوں، جو عالم عرب سے روابط رکھ سکیں، عرب ممالک میں دینی مدارس، ان کی دعوت اور ان کے پیغام کی صحیح نمائندگی کر سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان، پاکستان کے علماء نے جو عظیم الشان علمی اور دینی ذخیرہ اردو یا فارسی زبان میں چھوڑا

ہے اس سے عالم عرب کو روشناس کرا سکیں اور یہ مقصد عربی تحریر وتقریر کے اعلیٰ ملکہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں عربی صرف ونحو ادب اور بلاغت کی تدریس پر ایک معتد بہ وقت صرف ہوتا ہے، لیکن یہ سارے علوم خالص نظریاتی انداز سے پڑھائے جاتے ہیں اور ان کی عملی تربیت اور مشق کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک طالب علم نحو وصرف کے قواعد، ان کے خود ساختہ فلسفے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات وجوابات کی بحثیں تو شرح جامی، عبدالغفور اور عصام وغیرہ کی مدد سے یاد کر لیتا ہے، لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ وہ چند سطریں عربی زبان میں لکھ دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کیلئے سخت دشوار ہوتی ہے بلکہ وہ بسا اوقات انہی قواعد کے اطلاق میں غلطیاں کرتا ہے جن کا پورا فلسفہ اسے ازبر ہے اور اگر کوئی شخص نحو وصرف کی غلطیوں سے محفوظ رہ جائے تو اسلوب اور انشاء کی غلطیاں تو اس کی تحریر میں لازماً ہوتی ہی ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس میں عربیت کی تصحیح وتحسین کی طرف پوری توجہ دی جائے اور مدرسے کی پوری فضاء ایسی بنائی جائے جس میں عربیت رچی بسی ہوئی ہو۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز

بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

(ا) عربی زبان کو نئے اسلوب سے پڑھانا چاہیئے اور اسکے نصاب میں کچھ کتابوں کا اضافہ کرنا چاہیئے۔

(ا) ابتدائی درجات کے نصاب میں صرف ونحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو، ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دیکر قاعدے کو ذہن نشین کرایا گیا ہو اور پھر تمرینات کے ذریعے طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو، عرب ممالک میں اس غرض کے لئے بہت سی کتابیں تیار ہوئی ہیں۔ مثلاً نحو وصرف کے ابتدائی اور متوسط درجات کیلئے ''النحو الواضح'' اور اعلیٰ درجات کے لئے ''النحو الوافی'' وغیرہ۔ ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

(ب) ادب کی تعلیم میں انشاء کے لئے مستقل وقت رکھ کر اس کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے اس غرض کیلئے بھی اس وقت بہت سی کتابیں دستیاب ہیں، مثلاً ''الاسلواب الصحیح لِلاِنشاء'' ''معلم الانشاء'' وغیرہ۔ ان سے اس سلسلے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ''بلاغت'' کی تعلیم کیلئے ہمارے نصاب میں مختصر المعانی بالکل ناکافی ہے اور اس سے ''بلاغت'' کا اصل مقصد بالکل حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے بجائے یا اس کے ساتھ ''دروس البلاغۃ'' یا ''البلاغۃ الواضحۃ'' اس طرح پڑھانے کی ضرورت ہے کہ اس سے بلاغت کا اصل مقصد حاصل ہوسکے۔

(ج) لیکن عربیت کا ذوق پیدا کرنے کیلئے ان تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت جس بات کو حاصل ہے وہ مدرسے کی مجموعی فضا میں عربیت کا چلن ہے، اس غرض کے لئے ہماری رائے میں تو درجہ رابعہ سے اوپر کے تمام اسباق عربی زبان میں ہونے چاہئیں، لیکن اگر یکایک یہ تبدیلی مشکل ہو تو کم از کم مدرسے کے تمام اعلانات، دفتری اندراجات، تمام دفتری کارروائی، امتحانات کے پرچے اور ان کے نتائج وغیرہ فوری طور پر عربی میں منتقل کرنے چاہئیں، اور رفتہ رفتہ مدارس کے ماحول کو اس سطح پر لانا چاہیئے کہ ان میں ذریعہ تعلیم مکمل طور پر عربی زبان بن جائے۔

(د) اساتذہ اور طلبہ کے درمیان باہمی گفتگو میں عربی بول چال کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے، اگر اساتذہ اور منتظمین اس بات کا اہتمام کریں کہ وہ آپس میں، نیز طلباء سے صرف عربی میں گفتگو کریں گے تو بہت جلد عربیت کا ایک خوشگوار ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔ عادت نہ ہونیکی بناء پر شروع میں شاید دشواری پیش آئے، لیکن اگر اس دشواری پر اہتمام کے

ساتھ قابو پالیا گیا تو انشاء اللہ بہترین نتائج حاصل ہوں گے۔

(ہ) مہینے دو مہینے میں طلباء کے ایسے اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں جن میں طلبہ عربی میں تقریریں کریں اور مقالے پڑھیں۔

(۲) اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، ریاضی وغیرہ کی معیاری تعلیم دی جائے۔

دارالعلوم دیوبند میں طریق کار شروع سے یہ تھا کہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اور عربی کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طالب علم کو ایک پانچ سالہ نصاب سے گزارا جاتا تھا جو "درجہ فارسی وریاضی" کے نام سے موسوم تھا۔ اس درجے میں اردو، فارسی، دینیات، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اس قدر معیاری تعلیم دیدی جاتی تھی کہ ان مضامین میں ایک عالم دین کو جتنی واقفیت ضروری ہے ایک طرف وہ تمام تر حاصل ہوتی تھی اور دوسری طرف اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس درجہ پر اپنی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو جائے تو وہ دین ودنیا کی اتنی بنیادی معلومات حاصل کر چکا ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھی زندگی گزار سکے۔

یہ درجہ عربی اور اسلامی علوم کے لئے ایک بہترین بنیاد کا کام دیتا

تھا اور جب طالب علم اس درجے سے فارغ ہو کر عربی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اردو اور فارسی میں تحریر وانشاء کی اچھی صلاحیت کا حامل ہوتا تھا جو اس کو عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل میں بہت مدد فراہم کرتی تھی۔

یہ درجہ موجودہ دینی مدارس میں عرصے سے یا تو ختم ہو چکا ہے یا اس نے گھٹتے گھٹتے ایک سال کے درجہ اعدادیہ کی صورت اختیار کرلی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جب عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل شروع کرتا ہے تو عام طور سے اس کی تحریر خراب، املا اور انشاء ناقص اور بنیادی معلومات کمزور ہوتی ہیں، اس میں عربی صرف ونحو، ادب اور فقہ وغیرہ کے اہم مضامین کو کماحقہ سمجھنے اور انہیں اچھی طرح ہضم کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہوتی، اور یہ مضامین اسے دشوار معلوم ہوتے ہیں اور جب بنیاد کمزور ہو جائے تو اس کمزوری کا اثر اگلے درجات تک پڑتا ہے۔

لہٰذا یہ بات ہماری نظر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق درجۂ اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، دینیات، سیرت، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اتنی معیاری تعلیم دیدی جائے جو اگلے مضامین کیلئے ٹھوس بنیاد فراہم کر سکے۔

(۳) تاریخ اور سیرت کو داخلِ نصاب کیا جائے۔

درس نظامی میں تاریخ کو بطور مضمون اس لئے باقاعدہ شامل نہیں کیا گیا تھا کہ قوت مطالعہ پیدا ہونے کے بعد یہ مضمون ذاتی مطالعے سے بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن اب تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ذاتی مطالعہ کا ذوق کم ہوتا جارہا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی درجات کے نصاب میں تاریخ اور سیرت کو باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے داخلِ نصاب کیا جائے۔

(۴) تصوف اور اخلاق کی کتابیں داخلِ نصاب کی جائیں۔

یہی حال تصوف اور اخلاق کا ہے کہ اس کو باقاعدہ درس میں اس لئے شامل نہیں گیا تھا کہ مدارس کا پورا ماحول بذاتِ خود اخلاق وطریقت کی عملی تربیت کرتا تھا اور باقی ماندہ کسر ذاتی مطالعے اور کسی مرشد کے تعلق سے پوری ہوجاتی تھی، لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اور اخلاق کی کتب باقاعدہ داخلِ درس ہوں۔ اس مقصد کے لئے حضرت امام غزالی کی "بدایۃ الہدایہ" اور "اربعین" "احیاء العلوم" کے منتخب حصے حضرت امام سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی "عوارف المعارف" حکیم الامت حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کی "التکشف" اور "التشرف" وغیرہ مختلف درجات میں رکھی جاسکتی ہیں۔

(۵) تقابلِ فِرَقِ باطلہ کو داخلِ نصاب کیا جائے۔

ایک عالم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جن دوسرے مذاہب وادیان کا براہ راست اسلام سے تصادم رہا ہے، اور جن کے تبلیغی مشن اب بھی سرگرمی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں، نیز خود مسلمانوں کے وہ فرقے اور گروہ جنہوں نے اپنے کچھ مخصوص نظریات کی بناء پر اپنا مستقل وجود قائم کیا ہوا ہے، ان سب کے بنیادی عقائد افکار سے وہ فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو، تاکہ بوقت ضرورت ان کی جواب دہی کرسکے، لہٰذا درس میں "الملل والنحل" یا "الادیان والفرق" کے نام سے ایک مستقل موضوع کا اضافہ ہونا چاہیئے جس میں ان ادیان وفرق کا مختصر تعارف، ان کے بنیادی عقائد وافکار اور ان کی تردید کے بنیادی دلائل بیان کردیئے جائیں جن کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو زیادہ واسطہ پیش آتا ہے تاکہ ان سے متعلق ضروری اجمالی معلومات ہر طالب علم کو حاصل ہوجائیں اور جن لوگوں کو بعد میں ان میں سے کسی مذہب یا فرقے پر خصوصی کام کا موقع ملے اس کے لئے یہ

تعارف ایک بنیاد کا کام دے سکے۔

(٦) انگریزی، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات اور سیاسیات کو داخل نصاب کیا جائے۔

علوم عصریہ کو ذریعہ معاش بنانے کیلئے مدارس کے نصاب میں ان کے اضافے کا تو تصور ہے اس کے بارے میں پیچھے ہم اپنی رائے تفصیل کے ساتھ عرض کر چکے ہیں، لیکن بعض عصری علوم ایسے ہیں موجودہ دور میں دین کی موثر تبلیغ اس کے کما حقہ دفاع اور اس کی صحیح خدمت کے نقطہ نظر سے ایک عالم کے لئے بحیثیت عالم ان کی فی الجملہ واقفیت ضروری یا مفید ہوگئی ہے۔ مثلاً انگریزی زبان، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات سیاسیات اور اصول قانون۔ اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

علماء مغربی افکار کا موثر دفاع انگریزی زبان سیکھ کر کر سکتے ہیں۔

(الف) جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں۔ ان سب کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں اور جب تک ان گمراہیوں کے اصل منابع سے کما حقہ واقفیت نہ ہو، ان کی تردید اور ان پر

تنقید وتبصرہ ان لوگوں کے لئے پوری طرح موثر نہیں ہوتا جو ان کے براہ راست مطالعے سے مرعوب ومتاثر ہوئے ہیں۔

یہ تقریباً وہی صورت حال ہے جو عباسی خلافت کے زمانے میں یونانی فلسفے کے رواج عام سے پیدا ہوئی تھی، اس وقت فکری اور عقلی گمراہیوں کا اصل سرچشمہ یونانی منطق اور فلسفہ تھا اور جن لوگوں کے ذہن اس سے مرعوب ومتاثر تھے، ان کے شکوک وشبہات کا موثر علاج اسی طرح ہوسکتا تھا کہ علماء اسلام اس منطق اور فلسفے پر عبور حاصل کر کے اسی زبان واسلوب میں اس کی تردید کریں، چنانچہ علماء اسلام نے اس منطق اور فلسفے کو داخل نصاب کیا، اس میں اعلیٰ درجے کی مہارت پیدا کی اور پھر وقت کی گمراہیوں کا ایسا موثر سدباب کیا کہ وہ ایک ایک کر کے اپنی موت آپ مر گئیں۔

اس وقت دینی علوم کے نصاب میں منطق اور فلسفہ کو اس لئے داخل نہیں کیا گیا تھا کہ علماء اسے ذریعہ معاش یا اپنا مستقل مشغلہ بنائیں گے، بلکہ اس کا مقصد وقت کی ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کرنا تھا۔

بعینہٖ اسی طرح آج مغرب سے اٹھنے والے نظریات اور ان کی گمرائیوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور عالم اسلام کا بھی

وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو معاشرے کی ایک موثر وقت کی حیثیت رکھتا ہے، انہی نظریات سے متاثر اور بڑی حد تک ان کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، ان نظریات کی تردید میں اب تک جو کام ہوا ہے وہ ان لوگوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کے لئے تو کسی درجے میں کارآمد ہے جن پر دین کی گرفت پہلے ہی سے مضبوط ہے لیکن جو لوگ ان نظریات سے ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ ان پر دین کی گرفت ڈھیلی پڑگئی ہے ان کو واپس لانے کیلئے کافی نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اسی طرز پر کام کرنے کی ضرورت ہے جس طرز پر یونانی نظریات کی یلغار کے مقابلے میں متکلمین اسلام نے انجام دیا تھا، یہ کام علماء امت کے ذمے ایک قرض ہے جسکی ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی، مغربی گمراہیوں کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا جائے گا۔

متجددین کے دفاع نے بعض نئی غلط فہمیاں پیدا کردیں۔

(ب) چونکہ ان مغربی نظریات پر موثر اور بھرپور تنقید کے لئے ان کے اصل ماخذ تک رسائی ضروری ہے، اس لئے اب تک یہ کام ان لوگوں نے انجام دیا ہے جو ان ماخذ تک رسائی تو رکھتے تھے، لیکن انہوں نے دینی علوم باقاعدہ متوارث طور پر اساتذہ سے نہیں پڑھے تھے، اس کے

بجائے انکی دینی معلومات متفرق مطالعے پر مبنی تھیں جن سے ظاہر ہے کہ علم کا رسوخ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ان لوگوں نے ان مغربی نظریات کے مقابلے میں دین کی جو تشریح وتعبیر کی وہ طرح طرح کی غلط فہمیوں پر مبنی تھی اور اس سے مغربی گمراہیوں کا صحیح علاج ہونے کے بجائے الٹی کچھ نئی گمراہیاں، نئے فتنے اور نئی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں جن سے خود مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کا دروازہ کھل گیا۔ ان نئی غلط فہمیوں کا موثر سدباب صرف سلبی انداز میں نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ علم دین میں رسوخ رکھنے والے علماء بذات خود ایجابی طور پر کام کریں جسکی غلط انجام دہی نے ان نئی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔

(ج) مغرب کے مستشرقین نے عربی اور اسلامی علوم پر "تحقیق" کے نام سے ایسے زہریلے لٹریچر کا ایک انبار تیار کردیا ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی مسلمات کو مشکوک بنانا ہے، یہ لٹریچر جدید ذہن کی نفسیات کے مطابق اور اس اسلوب میں تیار کیا گیا ہے جو آج کے ذہن کی اپیل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور عالم اسلام کا کوئی خطہ اس کے زہریلے اثرات سے خالی نہیں۔ اس زہر کا تریاق فراہم کرنا بھی علماء ہی کی ذمہ داری ہے اور اس کے لئے انگریزی زبان اور ان عصری علوم کی تحصیل

لازمی ہے جن کو اس کاروائی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

(د) اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور مشرق بعید کے ممالک میں آباد ہے۔ ان لوگوں کو اور بالخصوص ان کی نئی نسلوں کو اسلام پہنچانے کا کوئی راستہ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ ان خطوں کے مسلمانوں کو اب نئی نسلوں کے دین کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہے اور وہ اس غرض کے لئے کافی جدوجہد کے بعد مساجد اور دینی مراکز تعمیر کر رہے ہیں، ان مساجد اور مراکز میں ایسے علماء کی ضرورت روز افزوں ہے جو علوم دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی جانتے ہوں تا کہ وہ وہاں کے مسلمانوں کی دینی ضروریات پوری کر سکیں۔ راقم الحروف کو ایسے متعدد ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور یہاں رہتے ہوئے بھی شاید ہی کوئی مہینہ خالی گزرتا ہو جس میں وہاں سے انگریزی جاننے والے علماء کی طلب نہ آتی ہو۔

چونکہ ایسے صحیح الفکر اور راسخ علماء کی تعداد ہمارے درمیان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے جو انگریزی جانتے ہوں، اس لئے ان تمام مقامات پر وہ لوگ پہنچ رہے ہیں جو انگریزی تو بیشک جانتے ہیں، لیکن یا تو ان کی دینی معلومات سطحی اور سرسری نوعیت کی ہیں، یا ان کے

نظریات ''ماانا علیہ و اصحابی '' کے مطابق نہیں ہیں۔

یورپ میں دین کے تحفظ کیلئے انگریزی زبان میں دینی لٹریچر کی ضرورت ہے۔

(ہ) مذکورہ ممالک کے مسلمانوں کو اپنے دین کے تحفظ کے لئے انگریزی زبان میں بڑے وسیع دینی لٹریچر کی ضرورت ہے، لیکن حال یہ ہے کہ انگریزی میں قرآن کریم کی کوئی ایک تفسیر بھی ایسی موجود نہیں ہے جس کے بارے میں آنکھ بند کر کے لوگوں کو اس کے مطالعے کا مشورہ دیا جا سکے، اسی طرح روزہ مرہ کے دینی اور فقہی مسائل پر مشتمل کوئی ایسی مستند کتاب اب تک تالیف نہیں ہوئی جو ان لوگوں کو دین کی تعلیمات سے ٹھیک ٹھیک روشناس کرا سکے، اس وقت یا تو چندگنی چنی اردو کتابوں کے تراجم ہیں جن کی صحت کی بھی کوئی ضمانت نہیں، یا پھر اہل باطل کا فراہم کیا ہوا لٹریچر ہے جسے لوگ چاروناچار پڑھنے پر مجبور ہیں۔ ان مسلمانوں کو دین کی تعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کے دین و ایمان کی حفاظت علماء ہی کے فرائض میں داخل ہے، جو انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔

(و) موجودہ صنعتی دور نے تجارت و معیشت کے شعبے میں ایسے پیچیدہ معاملات کو رواج دیا ہے کہ اب ایک مسلمان تاجر کو قدم قدم پر

معاملات کی نئی صورتیں پیش آتی ہیں، ان صورتوں کا صریح شرعی حکم فقہ کی مروجہ کتب میں اس لئے نہیں مل سکتا کہ یہ صورتیں عصر جدید ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا تصور پہلے نہیں ہوسکتا تھا۔ ان صورتوں کو سمجھ کر ان کا صحیح فقہی حکم بتانا علماء ہی کا کام ہے اور یہ کام اسی وقت ٹھیک انجام پاسکتا ہے جب علماء ان صورتوں کو ان کی تمام تفصیلات اور پس منظر کے ساتھ سمجھیں اور اس کے بعد فقہی اصولوں کے مطابق انکا حکم بتائیں۔ اب تک ہوتا یہ ہے کہ صورت مسئلہ بیان کرنے کی ذمہ داری مستفتی پر ہوتی ہے، اس لئے وہ جیسا سوال لکھ لاتا ہے، اسی کے مطابق جواب چلا جاتا ہے، لیکن مستفتی چونکہ عالم نہیں ہوتا اس لئے وہ بسا اوقات اپنی لاعلمی کی بناء پر صورت مسئولہ کے وہ اہم اجزاء جن پر جواب کا دارومدار ہوتا ہے بیان نہیں کر پاتا، اس لئے جواب مختلف ہوجاتا ہے اور یہ بھی صرف ان معاملات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں تاجر کے دل میں کوئی شبہ اور اس کی بنیاد پر استفتاء کا قوی داعیہ پیدا ہوجائے، ورنہ اب اکثریت ان افراد کی ہے جن کو یا کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا، یا استفتاء کا تقاضا پیش نہیں آتا۔

لہٰذا جس طرح حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بازاروں میں گھوم گھوم کر تاجروں کے معاملات کو پہلے سے ازخود سمجھنے کا اہتمام فرماتے

تھے، تاکہ ان تمام معاملات کا شرعی حکم مدون کرجائیں اور استفتاء کے موقع پر مستفتی کی تشریح کے محتاج نہ ہوں، موجودہ دور کے اہل علم کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اہل عصر کے معاملات کو اچھی طرح سمجھیں اس کے بعد حسب ضرورت تصنیف وتالیف اور فتویٰ کے ذریعے ان معاملات کا شرعی حکم امت پر واضح کریں۔ اس غرض کے لئے معاشیات کا اتنا علم جس سے اہل عصر کے معاملات اور ان کے تجارتی مسائل کا علی وجہ البصیرۃ علم ہوسکے، اور ایک عالم دین کیلئے ضروری ہوگیا ہے۔

(ز) اس وقت جدید معاشی اور سیاسی نظریات نے پوری دنیا کو متحارب کیمپوں میں بانٹ دیا ہے، اسلامی ممالک بھی عملاً انہی میں سے کسی نہ کسی کیمپ کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ہر پسماندہ یا ترقی پذیر ملک ان دونوں کی آویزش کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے، سرمایہ داری، اشتراکیت، اور سیکولر سیاسی نظریات مسلمانوں کے درمیان اپنے افکار کے پرچار اور مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ علماء ہی کے فرائض میں داخل ہے، کیونکہ وہی دین کا پورا تحفظ کرتے ہوئے مسلمانوں کو صحیح راہ عمل بتاسکتے ہیں۔ لیکن اس غرض کے لئے ان تمام نظریات سے واقفیت ضروری ہے۔

(ح) اس وقت عالم اسلام میں رفتہ رفتہ یہ شعور جڑ پکڑ رہا ہے کہ ہم نے جدید عصری علوم کو مغربی قالب کے ساتھ جوں کا توں اپنا کر کس قدر سنگین اجتماعی غلطی کی ہے، چنانچہ اب یہ آوازیں تقریباً ہر اسلامی ملک میں اٹھ رہی ہیں کہ ان علوم کو اسلامی رنگ میں رنگ کر اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھانا چاہیئے اور ان علوم کی نصابی اور تحقیقی کتابوں میں اسلامی تعلیمات علماء اسلام کے افکار اور ان کی خدمات کو اس طرح سمونا چاہیئے کہ اس سے مغربی افکار کی بالادستی ختم ہو جائے۔ اس غرض کے لئے اب عالم اسلام میں جگہ جگہ مختلف علوم کے تحقیقی مراکز قائم ہو رہے ہیں ان مراکز میں ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جو دین کا وسیع و عمیق علم رکھنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ موضوع سے بھی کما حقہ واقف ہوں اور چونکہ راسخ الفکر علماء میں ایسے لوگ کمیاب، بلکہ نایاب ہیں، اس لئے ان مراکز میں وہ ذہن پہنچ رہا ہے جو دین کی صحیح بصیرت نہیں رکھتا۔

ان مراکز کے اثرات ونتائج جلدی تو ظاہری نہیں ہوں گے، لیکن دس بیس سال میں ان کے نتائج پوری طرح منظر عام پر آجائیں گے اور علوم عصریہ کی تمام درسگاہوں میں انہی کی تحقیقات سکہ رائج الوقت بنیں گی، لہٰذا ان مراکز کی صحیح تحقیقی رہنمائی کا فریضہ بھی علماء دین پر عائد ہوتا ہے جس کے لئے متعلقہ موضوعات کی فی الجملہ واقفیت ناگزیر ہے۔

یہ تمام کام جن کی ضرورت واہمیت سے شاید ہی کوئی دردمند اور سلیم الفکر مسلمان انکار کر سکے، ایک دو یا چند افراد کے بس کے نہیں ہیں اور نہ یہ ساری ضروریات کسی مختصر مدت میں پوری ہو سکتی ہے، اس کے لئے ایسے پختہ کار راسخ الفکر اور ذی استعداد علماء کی پوری کھیپ درکار ہے جو اپنی اپنی طبعی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لئے کام کے مختلف دائرے تجویز کرے اور ان دائروں میں شب و روز محنت کر کے یہ قرضہ چکائے۔ مگر اس سارے کام کی بنیاد دینی مدارس ہی میں فراہم کرنی ہوگی۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ دینی مدارس میں ان مضامین کی تدریس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان تمام مضامین کے متخصصین پیدا کرنے مقصود ہیں، اور نہ یہ تاثر درست ہے کہ ان مضامین کی تدریس کے لئے کوئی بہت زیادہ وقت صرف کرنا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ بفضلہٖ تعالیٰ درس نظامی کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس نصاب کو قرار واقعی طور پر پڑھ لے، اس کا ذہن مثبت اور علمی وفکری باتوں کے لئے پوری طرح تیار ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسی باتوں کا ادراک بہت جلد کر لیتا ہے جسے سمجھنے میں دوسرے لوگوں کو کافی دیر لگتی ہے، اس لئے اگر دینی مدارس کے

طالب علم کو انگریزی زبان کے ساتھ مذکورہ بالا چند مضامین کی بنیادی واقفیت حاصل ہو جائے تو وہ ضرورت کے وقت انشاء اللہ اس بنیاد پر عمارت خود کھڑی کر سکے گا، اس لئے ان مضامین کی تدریس کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ہمارے نزدیک موجودہ دور میں علماء کی خدمات اور ان کی کوششوں کو موثر بنانے اور ان کا دائرہ اثر بڑھانے کیلئے مذکورہ بالا اقدامات نہایت ضروری ہیں، لیکن (اور یہ "لیکن" بھی ہمارے نزدیک بیحد اہمیت رکھتا ہے)۔ (۱) ان قدامات سے پہلے یا ان کے ساتھ ساتھ اس بات کا پورا اطمینان ضروری ہے کہ دینی مدارس میں اتباع سنت کا وہ مزاج و مذاق جو ان مدارس کی اصل روح اور ان کی سب سے قیمتی متاع ہے، اسے کسی بھی مرحلے پر ادنی ٹھیس نہ لگے، اس مزاج و مذاق کے بارے میں ہم اپنی گزارشات اسی مضمون کے ابتدائی حصے میں پیش کر چکے ہیں اور اس کا تحفظ ہر قیمت پر ضروری ہے، کیونکہ اس کو مجروح کر کے جو کام بھی کیا جائے گا، وہ ان مدارس کو تباہی کی طرف لے جائیگا۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن مضامین کے اضافے کی تجویز سابقہ صفحات میں پیش کی گئی ہے وہ اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب

ان مدارس کے اصل علوم عالیہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کے معیار تعلیم میں نہ صرف یہ کہ کوئی ادنی خلل یا نقص واقع نہ ہو، بلکہ ان کے معیار تعلیم کو مزید مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔

عصری مضامین کیلئے راسخ الفکر اساتذہ مقرر کئے جائیں۔

ان دونوں ناگزیر شرطوں کے پیش نظر ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جن عصری مضامین کو داخل نصاب کیا جائے، ان کے لئے ایسے پڑھانے والے تلاش کئے جائیں۔ اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے دینی مدارس سے فکری اور عملی طور پر پوری طرح ہم آہنگ ہوں اور اپنی تدریس کے دوران طلبہ کا ذہن ان مضامین کے مقصد تدریس کے لئے تیار کرتے رہیں۔ اس غرض کے لئے اگر مدارس کو اپنے بعض اساتذہ کو رخصت دیکر تیار کرنا پڑے تو اس میں بھی چنداں حرج نہیں اور ظاہر ہے کہ مضامین کا یہ اضافہ بتدریج ہی مناسب ہوگا، اس لئے اگر ایک مرتبہ اصولی طور پر مذکورہ بالا مقاصد کی تحصیل کی طرف توجہ ہو جائے تو رفتہ رفتہ اس کے مناسب وسائل انشاء اللہ فراہم ہوتے جائیں گے۔

(۷) منطق اور فلسفہ کے مضمون کو صرف ضروری حد تک پڑھانا چاہیئے۔

نصاب سے متعلق ساتویں بات منطق اور فلسفے کی تعلیم سے متعلق ہے، بعض حضرات یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں، ان مضامین کی اہمیت کیلئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابون کا عظیم الشان ذخیرہ، بالخصوص اصول فقہ، انہی علوم کی اصلاحات اور منطقی انداز واسلوب پر مشتمل ہے اسکو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس سے استفادہ کے لئے منطق اور فلسفے کی واقفیت ضروری ہے آج ’’تفسیر کبیر‘‘ جیسے دریائے علم سے استفادہ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق اور فلسفے کا علم رکھتا ہو، لہٰذا ان مضامین کو یکسر ختم کر دینا ہمارے نزدیک سخت نقصان دہ ہوگا۔ لیکن ان مضامین کو اسی حد تک پڑھانا چاہیئے جس حد تک وہ اسلامی علوم کے لئے زینے کا کام دیں، ان کو ایک مستقل علم مقصود کے طور پر پڑھنے پڑھانے کا واقعی اب کوئی جواز نہیں، لہٰذا جہاں ان مضامین کی تعلیم مذکورہ ضرورت سے زائد ہو رہی ہو۔ وہاں اس کو ضرورت کی حد تک محدود کر کے دوسرے مضامین کے لئے گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ فلسفہ میں عنصریات اور فلکیات کے جو حصے اب تحقیق اور مشاہدے سے غلط ثابت ہو چکے ہیں، ان کی غلطی پر تنبیہ کے ساتھ جدید تحقیقات پڑھانا ضروری ہے جس کے لئے علامہ نجیب رحمۃ اللہ علیہ کی ’’توفیق الرحمٰن‘‘ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’مادل علیہ القرآن‘‘ اور مولانا محمد موسیٰ صاحب کی ’’جدید فلکیات‘‘ سے مدد لی جا سکتی ہے۔

(۸) دورہ حدیث کو دو سالوں میں منقسم کر دینا چاہیئے۔

نصاب کے سلسلے میں آخری گزارش یہ ہے کہ قوی کے مسلسل انحطاط اور مسائل کی پیچیدگیوں کی بنا پر عرصے سے یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ دورہ حدیث کیلئے ایک سال کی مدت ناکافی ہے، اس مختصر وقت میں حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں ہو پاتا، اور عموماً ہوتا یہ ہے کہ حدیث کے صرف معدودے چند ابواب تحقیق و تفصیل کے ساتھ ہو پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے اور اس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ایک صحیح بخاری ہی کو لے لیجئے، استاذ اور شاگرد شب و روز مثالی محنت کرنے کے باوجود آخر سال میں انتہائی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کا کوئی حصہ ایسا نہیں جسے رواروی میں گزار دیا جائے۔

اسی طرح دورہ حدیث کی بعض انتہائی اہم کتب مثلاً طحاوی شریف اور موطائین اسی وقت کی قلت کی بنا پر اکثر برائے نام ہوتی

ہیں، حالانکہ ان کو اہتمام کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کی ضرورت ہے۔ اگر دورہ حدیث کو دو سالوں پر منقسم کر دیا جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ علم حدیث کے ساتھ مطلوب مناسبت پیدا ہو سکے گی، اور طالب علم حدیث کے تمام ابواب علی وجہ البصیرۃ پڑھ سکے گا اور اس کے ساتھ اصول حدیث کی کوئی معیاری کتاب مثلاً ”تدریب الراوی“ یا ”فتح المغیث“ وغیرہ بھی اہتمام کے ساتھ ہو سکے گی جو ایک حدیث کے طالب علم کیلئے از بس ضروری ہے۔

یہ چند تجاویز جو اہل علم کی خدمت میں طالب علمانہ طور پر برائے غور پیش خدمت ہیں، وفاق کی سابقہ نصاب کمیٹی جس نے سال گذشتہ نصاب میں کچھ ترمیمات یا اضافے کئے تھے، اس نے انہی خطوط پر سوچنا شروع کیا تھا، لیکن چونکہ اس کے ساتھ ہی معادلہ کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اس لئے بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ اس تمام کاروائی کا مقصد معادلہ ہے، ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ صرف معادلہ کے نقطہ نظر سے مدارس کے نصاب ونظام میں ترمیم ہماری رائے میں کسی طرح درست نہیں، البتہ ایک عالم کی حقیقی ضروریات اور اس کی خدمات کو زیادہ موثر بنانے کیلئے مندرجہ بالا تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ نصاب کے بعد کچھ باتیں انداز تدریس وغیرہ سے متعلق بھی عرض کرنے کا خیال تھا، لیکن یہ

گزارشات بھی اختصار کی انتہائی کوشش کے باوجود اندازے سے کہیں زیادہ طویل ہو گئیں، اس لئے ان کو کسی اور صحبت کیلئے ملتوی رکھتے ہوئے فی الحال اتنے ہی پر اکتفاء کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔[ا] جو کچھ تجاویز اوپر عرض کی گئی ہیں، ان میں دردمندی اور اخلاص کے ساتھ اپنے دل کی بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ضروری نہیں کہ ان میں سے ہر بات درست ہو، لیکن اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کا منشاء ہی یہ ہے کہ ان میں سے جو بات دلائل کی رو سے درست ہو اس پر کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور اگر دلائل سے کسی بات کی غلطی واضح ہو جائے تو اسے رد کر دیا جائے۔ لیکن اس موقع پر جبکہ ”وفاق المدارس“ نصاب کے مسئلے پر غور کر رہا ہے اور یہ غور بار بار نہیں ہوتا، اتنی امید ضرور ہے کہ مذکورہ بالا نکات میں سے ہر نکتے پر اطمینان اور ٹھنڈے دل سے غور ضرور کیا جائے

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احقر **محمد تقی عثمانی**

[ا] بعد میں حضرت مولانا نے طریقہ تدریس کے بارے میں بھی ایک مضمون لکھا تھا جو کہ اس رسالہ کے شروع کے حصے میں شامل کر دیا گیا ہے۔